NATIONAL PRESS URDU LITERATURE SERIES No. 29.

اشعار نظیر

مُرتّبہ

حافظ شمس الدین احمد منیری

پروفیسر پٹنہ کالج پٹنہ

ناشر

لالہ رام نرائن لعل بُکسیلر

الہ آباد

قیمت ۱۲ / بار اوّل

فہرست

تمہید

اس انتخاب کا مقصد یہ ہے کہ اُردو کے طلبہ کے لئے نظیر اکبرآبادی کے کلام کا ایک اچھا انتخاب پیش کر دیا جائے۔ اس انتخاب میں اس کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ جو نظمیں اس میں شامل کی جائیں اُن کی زبان سلیس اُردو ہو، فارسی آمیز یا سنسکرت آمیز اُردو نہ ہو۔ اس قید کے ساتھ بھی اتنی مختلف قسم کی نظمیں اس میں آگئی ہیں کہ پڑھنے والے کو نظیر کی شاعری کی خصوصیات پر عبور اور اُس کے مخصوص طرزِ بیان سے کافی مناسبت پیدا ہو جائے گی۔ ساتھ ہی اُسے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ نظیر کی اُردو کس قسم کی اُردو ہے۔ کلّیاتِ نظیر میں اور بعض انتخاباتِ نظیر میں نظیر کی اُردو و ہندی بھاشا نظموں کو اکٹھا کر دیا گیا ہے۔ اس سے طالبِ علم کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کون سی نظم کس زبان میں ہے۔ اور اکثر طلبہ اس غلطی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ یہ ساری نظمیں اُردو زبان کی ہیں۔ اور اُنھیں سخت حیرت ہوتی ہے کہ کسی نظم کی کچھ زبان ہے اور کسی کی کچھ۔ اُمید ہے کہ اِس انتخاب کو پڑھ کر وہ ایسی غلطی میں مبتلا نہیں ہوں گے۔

طلبہ کی سہولت کے لئے نظیرؔ کے کلام پر تنقیدی تبصرہ، اور اُس کے

سوانح حیات بھی علٰحدہ علٰحدہ عنوانوں کے ماتحت اِس انتخاب کے ساتھ پیش کیئے جاتے ہیں۔ اُمید ہے کہ تنقیدی حصّہ طلبہ کے علاوہ اساتذہ اور عام ناظرین کے لئے بھی دلچسپی کا باعث ہوگا۔ بعض نظموں کے وہ حصّے جن کا پڑھنا طلبہ کے لئے مناسب نہیں ہے حذف کر دیئے گئے ہیں۔

پٹنہ نومبر سنہ ۱۹۴۰ء

حافظ شمس الدین احمد

مقدمہ

نظیر جس طرح عرصہ دراز تک گمنامی اور کس مپرسی کی حالت میں پڑا رہا اُسی طرح سے اب مقبول و مشہور ہوتا جارہا ہے۔ اُس کی ابتدائی گمنامی اور موجودہ ہر دلعزیزی کے متعلق بہت کچھ لکھا جاچکا ہے۔ اِس پر مزید خامہ فرسائی کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ گذشتہ تذکرہ نویسوں نے اُسے اِس قابل بھی نہیں سمجھا کہ اُس کا شمار اوسط درجہ کے شعرا میں کیا جائے۔ دَورِ حاضرہ میں اُسے نہ صرف اُردو شاعری کا گُلِ سر سبد بتایا جاتا ہے بلکہ سعدی اور شکسپیر کا مدِّ مقابل ٹھہرایا جاتا ہے۔ میرے خیال میں یہ دونوں صورتیں افراط و تفریط کی ہیں۔

نظیر کا اصلی مقام ابھی تک متعین نہیں ہوا ہے۔ اور اس کے کلام کا صحیح جائزہ اب تک نہیں لیا جاسکا بلکہ صحیح طور سے اب تک یہ بھی نہیں بتایا گیا ہے کہ وہ کن کن زبانوں کا شاعر تھا اور کس کس زبان میں اُس نے شاعری کی ہے۔ عام طور پر نظیر کی شہرت اُردو زبان کے شاعر کی حیثیت سے ہے اور بحیثیت مجموعی یہ صحیح بھی ہے۔ لیکن وہ فارسی، ہندی اور بھاشا میں بھی خوب شعر کہتا تھا۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ وہ کم پڑھا لکھا آدمی تھا۔ فارسی تو وہ نہایت قدرت اور سلاست کے ساتھ لکھتا تھا۔ اُس کی کُلّیات

میں بہت سی فارسی کی غزلیں اور لمبی لمبی نظمیں ہیں اور نہایت بے تکلف ہیں۔ متعدد فارسی تضمینیں بھی ہیں بعض جگہ عربی کے شعر یا مصرعے بھی تضمین کیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عربی سے بھی بے بہرہ نہیں تھا۔ بھاشا اور ہندی تو اس خوبی اور کثرت سے لکھی ہے کہ اِن زبانوں میں اُس کی مہارت کے متعلق کوئی شبہہ ہی نہیں ہوسکتا۔ اُس زمانے میں اچھے اچھے قابل آدمیوں کی علمی صلاحیت کا عموماً یہی انداز ہوتا تھا۔ علمائے دین کے سوا جن کا مخصوص شغل دینیات کی تعلیم و تعلّم ہوتا تھا، اور پڑھے لکھے لوگ عموماً بقدرِ ضرورت عربی پڑھ لیا کرتے تھے لیکن فارسی میں اچھی مہارت پیدا کرتے تھے کیونکہ تعلیم یافتہ لوگوں کی زبان یہی تھی۔ اِسی میں نظم و نثر لکھتے تھے، اِسی میں خط و کتابت کرتے تھے۔ نظیرؔ کے دَور میں ایک نئی زبان ہندوستان کی آب و ہوا میں پیدا ہوکر پرورش پارہی تھی اور کافی ترقی کرچکی تھی۔ یہ فارسی کے مقابلہ میں ہندی کہلاتی تھی۔ اور اس میں نظم و نثر لکھی جانے لگی تھی۔ اس دَور کے پڑھے لکھے لوگ اس زبان سے بھی آشنا ہوچکے تھے اور اکثر اس میں بھی طبع آزمائی کیا کرتے تھے۔ اِسی کو بعد میں لوگ ریختہ اور اُردو کہنے لگے، کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے تھے جو بعض مقامی بولیوں یعنی بھاشاؤں میں مہارت اور مشق پیدا کرکے ان زبانوں میں بھی شاعری کرتے تھے۔ عبدالرحیم خان خاناں، ملک محمد جائسی، تلسی داس اور سور داس وغیرہ کی شاعری اِسی قسم کی ہے۔ مسلمانوں میں بہت سے اہلِ علم اس کا ذوق رکھتے اور اخیر دَور تک اِس پسندیدہ شغل میں بھی اپنا قیمتی وقت صرف کرتے تھے۔ آزاد بلگرامی اور میر جلیل بلگرامی جیسے باکمال اشخاص اس ذوق

سے محروم نہیں تھے۔ نظیر اکبر آبادی کا شمار بھی ایسے ہی باکمالوں میں ہے۔

نظیر کا جو کچھ کلام دستیاب ہے اُس کے لحاظ سے اُسے بلا تکلف فارسی، اُردو اور بھاشا کا شاعر کہہ سکتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ اس کی بھاشا بہت ٹھیٹھ بھاشا نہیں ہے۔ لیکن جو زبان اس نے بھاشا کے شعروں میں استعمال کی ہے اُسے کسی طرح اُردو نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ اِن میں بعض ایسی ترکیبیں ہیں جو اُردو میں کبھی مستعمل نہیں اور جو برج بھاشا کے ساتھ مخصوص ہیں۔ جیسے بعض شعرائے اُردو فارسی آمیز اُردو لکھتے ہیں اور پھر بھی اُردو کے شاعر سمجھے جاتے ہیں اِسی طرح نظیر اگر اُردو آمیز بھاشا لکھتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اُسے بھاشا کا شاعر نہ تسلیم کیا جائے۔ لیکن وہ جس طرح اُردو آمیز بھاشا لکھتا ہے اُسی طرح بھاشا آمیز یا سنسکرت آمیز اُردو بھی لکھتا ہے۔ ہم تو اُسے اُردو ہی کہتے، لیکن آج کل اس قسم کی ایک اور زبان مروّج ہو رہی ہے اور اسے اُردو کا پرانا نام ہندی چھین کر دے دیا گیا ہے۔ اگر ہم اس 'نئی ہندی' زبان کو اُردو سے علٰحدہ ایک زبان تسلیم کر لیں تو نظیر کے سر اس کے پہلے شاعر ہونے کا سہرا رہتا ہے۔

"ہندی" کا لفظ اتنے مختلف معنوں میں مستعمل ہے کہ اُس کے اندر خاصا ابہام پیدا ہو گیا ہے۔ یہ لفظ عربی ہے۔ عہد اسلام کے آغاز میں عرب والے اس ملک کو جو ہمالہ سے دکھن کی جانب ہے 'ہند' کہتے تھے۔ بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لفظ سے اُس کو یاد کیا ہے۔ عربی میں اس مُلک والوں کو یا اس کی چیزوں کو ہندی کہتے ہیں۔ جب فارسی بولنے والے ترک یا مغل وغیرہ اس

ملک میں آئے تو وہ اُس کے باشندوں کو ہندو اور اس ملک کو ہندوستان کہنے لگے ۔ اُن کے آنے سے اِس ملک کی دفتری زبان فارسی ہوگئی اور مدتوں رہی ۔ اُس وقت بظاہر سارے ہندوستان کی کوئی ایک زبان نہیں تھی بلکہ مختلف مقامات میں مختلف مقامی بولیاں یا بھاشائیں جنھیں "پراکرتیں" بھی کہتے ہیں مروّج تھیں ۔ اِن فارسی بولنے والے فاتحین اور بھاشا بولنے والے مفتوحین میں جب اختلاط بڑھا تو ایک نئی زبان "ایرانی" فارسی اور ہندوستانی بھاشاؤں سے مرکب ہوکر عالمِ وجود میں آئی ۔ بول چال اور کاروبار کے لیئے یہ زبان فاتح مفتوح دونوں کے لئے تبادلۂ خیالات کا سہل ذریعہ ثابت ہوئی اور رفتہ رفتہ ترقی کر کے خاصی وسیع زبان بن گئی ۔ اِس زبان کی ایجاد و ترقی میں ہندو اور مسلمانوں دونوں قوموں کا برابر حصہ رہا ۔ اور یہ دونوں کی مشترک زبان بن گئی ۔ یہ پنجاب سے شروع ہوئی اور رفتہ رفتہ دکن تک پھیل گئی ۔ اِس زبان کو فارسی کے مقابلہ میں جو اصل میں غیر ملکی زبان تھی "ہندی" کا لقب ملا کیونکہ اس کی پیدائش اِسی ملک ہند میں ہوئی تھی اور یہیں اِس نے نشوونما پائی تھی اور ترقی کر کے اس قدر وسیع ہوگئی تھی کہ سارے ملک کی گویا عام زبان بن گئی ۔ اِس زبان میں بہت ابتدا ہی سے شعر و شاعری بھی شروع ہوگئی تھی ۔ پنجاب کے مشہور فارسی شاعر مسعود سعد سلمان کی نسبت جو یہ کہا جاتا ہے کہ اُس کا ایک دیوان ہندی میں بھی تھا اس سے اکثر لوگ اِس غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے ہیں کہ وہ کسی بھاشا کا شاعر تھا ۔ حالانکہ اُس کی ہندی شاعری

اُسی زبان میں تھی جسے اب اُردو ادب کہتے ہیں۔ ہاں وہ اُردو اپنی بہت ہی ابتدائی شکل میں ہوگی۔ اُس زمانہ میں یا اُس کے بہت عرصہ بعد تک ہندی کا لفظ کسی بھاشا یا پراکرت کے لئے مستعمل نہیں ہوتا تھا اس لئے سعد سلمان کی شاعری کسی بھاشا میں نہیں ہو سکتی۔ یہی حال حضرت امیر خسرو کی ہندی شاعری کا ہے۔ اُنھوں نے اپنی ہندی شاعری کے متعلق خود اشارات کیئے ہیں۔ اس ہندی سے بھی وہی اُردو کی ابتدائی شکل مراد ہے۔ لفظ 'ہندی' اُردو کے لئے عرصہ دراز تک مستعمل رہا۔ اخیر زمانہ میں میر و مصحفی نے تذکرہ شعرائے ہندی لکھے۔ اُن میں صرف اُردو شاعروں کا تذکرہ ہے جس سے ظاہر ہے کہ اُس وقت تک اُردو کو 'ہندی' کہتے تھے۔ غالب نے جہاں اپنے اشعار کو اُردو میں ریختہ لکھا ہے۔ وہاں اپنے خطوط کے مجموعہ کا نام 'عود ہندی' رکھا ہے۔ اس دور کے بعد اردو کے لئے یہ نام اور دوسرے نام یعنی ریختہ وغیرہ متروک ہو گئے اور اسے صرف اُردو کہنے لگے۔ اِسی دور میں انگریزوں نے اس کے لئے ایک دوسرا نیا نام یعنی 'ہندوستانی' تجویز کیا اور اُس وقت سے کبھی کبھی یہ استعمال بھی ہوتا رہا۔

یوں تو مسلم فاتحین کی یہ عام روش تھی کہ جس ملک میں گئے وہیں کے ہو رہے۔ اُسی ملک کو اپنا مستقل وطن سمجھا۔ وہاں کے لوگوں سے رشتہ داریاں قائم کیں۔ وہاں مکانات اور محلات بنائے۔ شہر بسائے۔ وہاں کے رسم و رواج، غذا، لباس اور زبان غریب قریب ہر چیز کو اختیار کر لیا۔ لیکن اس

خصوص میں ترکانِ چغتیہ جنھیں غلطی سے مغل کہتے ہیں اور شاہانِ ہند سے ممتاز تر تھے۔ بابر ہی کے وقت سے اس ہندو نوازی کی ابتدا ہوئی اور اکبر کا عہد آتے آتے تو یہ چیز حدِ اعتدال سے گذر کر ہندو پرستی تک پہنچ گئی۔ جن کی تلواروں نے اس ملک کو فتح کیا تھا وہ مفتوحین کی ذہنیت سے اس قدر مرعوب و مغلوب ہو گئے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں انھیں کی تقلید کرنے لگے۔ بابر نے آگرہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا تھا اور جہانگیر کے عہد تک یہی رہا۔ آگرہ سے متھرا تک برج کا علاقہ سمجھا جاتا ہے۔ اور اس علاقہ کی مقامی بولی کو 'برج بھاشا' کہتے تھے۔ بابر ترکی اور فارسی بولتا آیا مگر ہندوستانی ماحول سے متاثر ہو کر بہت جلد اُس کی زبان پر ہندی الفاظ چڑھنے لگے۔ چنانچہ اُس کے بعض اشعار میں ہندی الفاظ موجود ہیں۔ ہمایوں اس سے زیادہ اپنے ہندی ماحول سے متاثر ہوا۔ اور اکبر کو تو اس ملک کی زبان اپنی مادری زبان سے زیادہ پیاری معلوم ہونے لگی۔ عہدِ اکبری میں جہاں ایک طرف بڑے بڑے عالم و فاضل شاعر و ادیب قندِ پارسی میں شکر شکنی کیا کرتے تھے وہاں دوسری طرف بڑے بڑے کوی برج بھاشا میں نازک خیالیاں دکھانے لگے۔

عبدالرحیم خان خاناں جیسا تلوار کا دھنی تھا ویسا ہی قلم و سخن کا بھی مالک تھا۔ ترکی، فارسی، عربی کے علاوہ برج بھاشا کا بھی زبردست فاضل اور بے مثل شاعر تھا۔ اس کی رحیمن ولاس آج بھی بھاشا ادب کے خزانہ کا نہایت قیمتی گوہر ہے۔ اُسی دَور میں سور داس اور دوسرے

ہندو شعراء نے بھاشا میں خوب داد شاعری دی۔ شاہانِ مغلیہ نے اس بھاشا
شاعری کی بیش از بیش قدردانی کی اور دور دور تک اِس کی شہرت پہنچی۔ اودھ
کے علاقہ میں بھی وہاں کی مقامی بولی میں جسے اودھی بھاشا کہتے ہیں، لوگ شاعری
کرنے لگے اور اچھے اچھے شاعر وہاں پیدا ہوئے۔ تلسی داس، ملک محمد جائسی وغیرہ
اِسی عہد کی یادگار ہیں۔ ابھی تک یہ شاعری بھاشا کی شاعری سمجھی اور کہی جاتی
تھی۔ اُسے 'ہندی' کوئی نہیں کہتا تھا۔ ہندی ایک دوسری چیز تھی جو بازاری
گفتگو اور کاروباری تبادلۂ خیال کا ذریعہ تھی۔ اس کاروباری زبان میں بھی اب
یہ صلاحیت پیدا ہو چلی تھی کہ یہ ادبی اور علمی زبان بنے، چنانچہ بعض اشخاص اس
زبان میں طبع آزمائی کرنے لگے تھے۔ اُن کو ہندی زبان کا شاعر اور اُن کی شاعری
کو 'ہندی' کی شاعری کہا جاتا تھا۔ یہی صورت سلطنتِ مغلیہ کے دورِ انحطاط
میں بھی قائم رہی اور اس دور کے اخیر اخیر تک فارسی، ہندی اور بھاشا تینوں
ادب قائم رہے۔ البتہ یہ ضرور ہوا کہ 'ہندی' کے لئے دو اور نئے نام یعنی 'ریختہ'
اور 'اردو' پیدا ہو گئے۔ اور رفتہ رفتہ یہ نئی زبان ریختہ یا اردو زیادہ وسیع اور
کثیر الاستعمال ہوتی گئی اور فارسی اور بھاشا اس سے دبتی گئی۔ یہاں تک کہ
سلطنتِ مغلیہ کا چراغ گُل ہو گیا اور اس ملک کی عنانِ حکومت انگریزوں کے
ہاتھ میں آگئی۔ اب فارسی تو دفتری حیثیت سے ختم ہو چکی تھی۔ برج بھاشا اور
اودھی بھاشا مقامی بولیوں کی حیثیت سے اپنے اپنے مخصوص علاقوں میں محدود
رہیں۔ صرف 'ہندی' اپنے نئے نام 'اردو' کے ساتھ ملک کے اکثر علاقوں کی
عام اور ہندو مسلمانوں کی مشترک زبان بن کر خوب پھیل گئی اور اچھی طرح پھلی پھولی۔

انگریز حکام نے بھی اس کو ملک کی عام زبان سمجھا اور اس کی اس حیثیت کو مانکر اس کو ایک نیا نام ہندوستانی یعنی ملک ہندوستان کی زبان دیا۔

اُس وقت تک ہندو مسلمانوں کی ایک ہی زبان تھی جسے اُردو بھی کہتے تھے اور ہندی بھی۔ اسی زبان میں ملک کے سب باشندے گفتگو کرتے تھے، لکھتے پڑھتے تھے، تصنیف و تالیف کرتے تھے۔ شعر و شاعری کرتے تھے۔ اگر شیخ ابراہیم ذوق اور مرزا اسداللہ خاں غالب اس کے دلدادہ تھے تو پنڈت دیا شنکر نسیم اور پنڈت رتن ناتھ سرشار اُس کے عاشق زار تھے۔ اُس وقت یہ کسی کو گمان بھی نہیں تھا کہ آگے چل کر ہندو مسلمانوں میں یہ زبان مابہ النزاع بن جائے گی۔ یہ اگر فارسی میں لکھی جاتی تھی تو اس کا سارا ڈھانچہ اور چوکھٹا خالص ہندوستانی تھا۔ ہندو مسلمانوں کے اشتراکِ عمل اور اتحادِ زندگی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔

اُسی زمانے میں ملک کی بدقسمتی سے بعض ہندو رہنماؤں نے ایک نئی تحریک کی بنیاد ڈالی۔ اس کا مقصد ہندوؤں کی گذشتہ کھوئی ہوئی عظمت کو واپس لانا تھا۔ چونکہ ہندوستان کی سلطنت مسلمانوں کو ہندوؤں سے ملی تھی اسی لئے فطری طور پر ہندو اپنی گذشتہ عظمت سے محروم ہونے کا ذمہ دار مسلمانوں کو سمجھنے لگے اور مسلمانوں کی طرف سے اُن کے دلوں میں غبار پیدا ہونے لگا۔ اِدھر انگریزی تاریخوں نے گزشتہ حالات و واقعات کو جس رنگ میں پیش کیا اُس سے اِس جذبہ کو اور تقویت پہنچی اور رفتہ رفتہ ہندوؤں میں مسلمانوں سے زندگی کے ہر شعبہ میں انقطاع کا جذبہ پیدا ہوا۔ اور اس کی بہترین اور آسان ترین صورت

یہ نظر آئی کہ ہندوؤں کو حال سے کٹ کر ماضی کی طرف لوٹنا چاہیئے اور زمانہ کی گردش سے جو کچھ تغیّر و تبدل اور اختلاط و آمیزش ہوگئی ہے اُس کو ترک کر کے اپنے تمدن کو اُس کی قدیم اور اصلی صورت میں واپس لانا چاہیئے۔ مذہب کی بنیاد پھر سے خالص ویدوں پر رکھنی چاہیئے۔ لباس بھی قدیم انداز کا اختیار کرنا چاہیئے۔ زبان و ادب پر بھی سنسکرت کی حکومت ہونی چاہیئے وغیرہ وغیرہ۔ اس تحریک کی مذہبی پیداوار سوامی دیانند سرسوتی اور ادبی پیداوار للولال جی ہیں۔ اُسی وقت سے ہندو مسلمانوں کی عام زبان جس کا پہلا نام ہندی اور آخری نام اُردو تھا، دو قسم کے رسم الخط یعنی فارسی اور ناگری میں لکھی جانے لگی۔ اُسی وقت سے وہ اُردو جو ناگری حروف میں لکھی جاتی تھی 'اُردو' کے مقابلہ میں 'ہندی' کہلانے لگی اور اُس میں سنسکرت اور بھاشا کے الفاظ بھر دئے گئے۔ پہلے فارسی کے مقابلہ میں اس ملک کی زبان 'اُردو' 'ہندی' کہلاتی تھی۔ اب اُردو کے مقابلہ میں سنسکرت آمیز اُردو ہندی کہلانے لگی۔ یہ ہندی کا نیا جنم تھا جو اُسے فورٹ ولیم میں ملا۔ اِس کو تلسی داس اور سورداس وغیرہ کی بھاشا سے کوئی تعلق نہیں۔ جو زبانیں فطری طور پر پیدا ہوتی ہیں اُن میں پہلے شاعری ہوتی ہے اُس کے بعد نثر کا دور آتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ نئی ہندی غیر فطری طور پر اور کچھ تعصّب کے جذبات اور ملکی مصالح کے زیرِ اثر پیدا کی گئی تھی اس لئے اس میں پہلے نثر نگاری شروع ہوئی۔ اور شاعری عرصہ دراز تک نہیں ہو سکتی۔ مگر اس نئی ہندی کے بانیوں اور مدعیوں کو اپنا مکمل ادب پیش کرنا ضرور تھا۔ اِس لئے اِن لوگوں نے مجبوراً قدیم برج بھاشا اور اودھی بھاشا کی شاعری کو اپنا نظمی ادب قرار دیا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی نظم و نثر کی بالکل دو مختلف زبانیں ہوگئیں۔ حالانکہ کسی اور زبان میں جو فطرتی طور پر پیدا ہوتی اور نشو و نما پاتی ہے۔ یہ صورت نہیں ہوتی ہے۔ ہاں عروض کی بندشوں کی وجہ سے ترتیب الفاظ وغیرہ میں کچھ فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ اب بڑی کوششوں سے اس نئی ہندی میں بھی شاعرانہ ادب کچھ کچھ پیدا ہونے لگا ہے۔ مگر وہ ہندی نثر کی طرح بھاشا سے بالکل الگ اور اُردو سے نہایت مشابہ ہے۔

قطع نظر اس سے کہ اس انقطاعی تحریک سے ملک کو کتنا سخت نقصان پہنچے گا۔ اور اس کا ردعمل انفرادی اور قومی زندگی کے کن کن شعبوں میں کس کس تباہ کن صورت میں نمودار ہوگا۔ اگر ہم تلاش کریں کہ اس نئی ہندی میں کب سے شاعری کی بنیاد پڑی تو ہمیں پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ اس کی نمایاں خصوصیات کیا ہیں اور یہ قدیم بھاشا شاعری سے کن حیثیتوں سے ممتاز اور علیحدہ ہے۔ ہندی ادب کی تاریخ لکھنے والوں نے عام طور پر نادانستہ یا دانستہ یہ غلطی کی ہے کہ قدیم بھاشا کے شاعروں اور "نئی ہندی" کے شاعروں کو اس طرح خلط ملط کر دیا ہے کہ دونوں کو علیحدہ کرنا نہایت مشکل ہو گیا ہے۔ حالانکہ دونوں میں بُعد المشرقین ہے۔ نگار کے "ہندی شاعری نمبر" میں بھی یہی غلط مبحث ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ "نئی ہندی" نے اب تک کوئی ایسا بڑا اور ممتاز شاعر نہیں پیدا کیا ہے۔ جس کی نظمیں نئی ہندی کی معیاری شاعری قرار دی جاسکیں۔ اب تک بہت سے "نئی ہندی" لکھنے والے تنّار جب نظم لکھنے بیٹھتے ہیں تو اُن کا قلم قدیم بھاشا کی طرز پر چل نکلتا ہے۔ ملک میں ابھی صرف چند نوجوان ہیں جو

حقیقی معنوں میں 'نئی ہندی' میں شاعری کرنے لگے ہیں۔ اِس کا نتیجہ یہ ہے کہ نئی ہندی کے نثری اور نظمی ادب میں اب تک یکسانیت نہیں پیدا ہو سکی۔ بہرحال 'نئی ہندی' شاعری کی بھی امتیازی خصوصیات وہی ہیں جو نئی ہندی نثر کی یعنی اِس میں الفاظ کثرت سے سنسکرت اور بھاشا کے ہوتے ہیں۔ مگر اس کا چوکھٹا اور ڈھانچہ بالکل اُردو کا ہوتا ہے۔ اگر اس میں سے سنسکرت اور بھاشا کے نامانوس الفاظ نکال کر ہندوستانی یعنی اُردو کے عام فہم الفاظ رکھ دیے جائیں تو پھر یہ بالکل اُردو ہو جاتی ہے۔ اس کے عروضی اوزان بھی اکثر اُردو ہی کے ہوتے ہیں یا اُردو کی غلط سلط نقل ہوتی ہے۔ اس پر انگریزی کا بھی کچھ اثر معلوم ہوتا ہے مگر وہ اُسی قدر ہے جتنا اُردو پر اور غالباً اُردو ہی سے ماخوذ ہے۔ نئی ہندی کی شاعری کے ابتدائی دور کو اگر تلاش کریں تو ہم لوگ زیادہ سے زیادہ للّو لال جی وغیرہ کے عہد تک جا سکتے ہیں۔ اُن کا زمانہ انیسویں صدی عیسوی کا ابتدائی زمانہ ہے اُن کے بعد راجہ شیو پرشاد، ہریش چندر وغیرہ ہیں۔ جن کا زمانہ انیسویں صدی کے وسط تک پہنچتا ہے۔ اگرچہ یہ لوگ نثر نگار تھے مگر بعض نے کچھ کچھ شاعری بھی کی ہے۔ اس لئے 'نئی ہندی' شاعری کی تاریخ ۱۸۰۰ء سے پہلے کسی طرح نہیں شروع کی جا سکتی۔

نظیر اکبرآبادی کی شاعری کا ایک حصہ بالکل اِسی انداز کا ہے جسے ہم نے 'نئی ہندی' کا لقب دیا ہے۔ یعنی اس کا ڈھانچہ تو اُردو کا ہے لیکن اُس میں سنسکرت اور بھاشا کے الفاظ کی کثرت ہے۔ اور یہ مروّجہ اُردو کی طرح سہل اور عام فہم نہیں ہے۔ یہ صرف اُنھیں لوگوں کو اچھی طرح سمجھ میں آ سکتی ہے جنھیں

سنسکرت اور بھاشا پر عبور ہے۔ اس لئے ہم اس شاعری کو بھی نئی ہندی کی شاعری کہہ سکتے ہیں اور نظیر کو اس نئی ہندی کا شاعر بلا تکلف قرار دے سکتے ہیں۔ نظیر ایک طویل العمر آدمی تھا۔ اس کا دور اٹھارھویں صدی کے وسط سے انیسویں صدی کی اوائل تک گذرا ہے۔ گرچہ اس کی تاریخ پیدائش صحیح طور پر معلوم نہیں مگر اس کی شاعری کی ابتدا سنہ ۱۷۶۰ء سے قرار دی جاتی ہے۔ اس طرح وہ موجودہ نئی ہندی کا پہلا شاعر ثابت ہوتا ہے۔ اس کی نئی ہندی کا نمونہ ملاحظہ فرمایئے۔ یہ نظم جنم کنھیا جی کا ایک بند ہے:۔

شُبھ ساعت سے یوں دنیا میں اوتار گربھ میں آتے ہیں
جو نارد مُن ہے دھیان بھلی سب اُن کا بھید بتاتے ہیں
وہ نیک مہورت سے جس دم اس شُسٹ میں جنمے جاتے ہیں
جو لیلا رچنی ہوتی ہے وہ روپ یہ جا دکھلاتے ہیں
یوں دیکھنے میں اور کہنے میں وہ روپ تو بالے ہوتے ہیں
پر بالے ہی بن میں اُن کے اُپکار نرالے ہوتے ہیں

اس میں صرف دو لفظ عربی کے ہیں اور ایک فارسی کا ہے۔ گویا قصداً عربی فارسی کے لفظوں کو نکال کر اُن کی جگہ سنسکرت کے الفاظ رکھے گئے ہیں۔ یہی صورت موجودہ نئی ہندی کی ہے۔ اس کی زبان کو دلّی سے لے کر اقبالؔ تک کوئی اُردو نہیں کہہ سکتا۔ پھر بھی اُس کا ڈھانچہ اور چوکھٹا پورا اُردو کا ہے۔ اگر اس میں سے سنسکرت الفاظ مثلاً گربھ، نارد مُن، مہورت، شُسٹ، لیلا، اُپکار وغیرہ نکال کر عام فہم الفاظ اُن کی جگہ رکھ دیئے جائیں تو پھر یہ خاصی اُردو

ہو جائے گی۔ یہی چیز "نئی ہندی" ہے۔ یہ پوری نظم اسی طرح کی زبان میں لکھی گئی ہے اور دوسری اور بھی متعدد نظمیں نظیر نے اس زبان میں لکھی ہیں۔ نظیر کی بھاشا شاعری اُن کی نئی ہندی سے بالکل الگ ہے۔ اس کی زبان طرز بیان وزن عروضی وغیرہ وہ ہے جو برج بھاشا کے لئے مخصوص ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

برہ آگ تن میں لگی جرن لگے سب گات
ناری چھوت بید کے پڑے پھپھولا ہات

ان کی اُردو دو قسم کی ہے۔ ایک فارسی آمیز اُردو جس پر غالب کے کلام کا دھوکا ہو سکتا ہے اور جس کی مثالیں نگار کے "نظیر نمبر" میں موجود ہیں، دوسری سادہ اُردو۔ ان کی سادہ اُردو بھی ان کی "نئی ہندی" سے بالکل الگ ہے۔ سادہ اُردو کا نمونہ ملاحظہ فرمائیے:۔ فطرتی مناظر اور کیف موسم کا لطف اُٹھائیے:۔

ہیں اس ہوا میں کیا کیا برسات کی بہاریں
سبزوں کی لہلہاہٹ باغات کی بہاریں
بوندوں کی جھمجھاوٹ قطرات کی بہاریں
ہر بات کے تماشے ہر گھات کی بہاریں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

یا یہ اخلاقی نصائح سنئے اور اس کی زبان دیکھئے:۔

دنیا عجب بازار ہے کچھ جنس یاں کی ساتھ لے
نیکی کا بدلا نیک ہے بد سے بدی کی بات لے

میوہ کھلا میوہ ملے، پھل پھول دے پھل پات لے
آرام دے آرام لے دُکھ درد دے آفات لے
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اِس ہات دے اُس ہات لے

نظیرؔ کی فارسی شاعری کا نمونہ دکھانے کی یہاں ضرورت نہیں۔ ہاں ان کی پنجابی اور دوسری مقامی بولیوں کی شاعری کا تذکرہ شاید بے محل نہ ہوگا۔ نظیرؔ کا کلام دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو ملک کے مختلف حصّوں کی مقامی بولیوں سے بھی خاصی واقفیت تھی۔ پنجابی میں کہیں کہیں بے تکلف شعر کہہ جاتے ہیں۔ اپنی نظم نانک شاہ گرو میں فرماتے ہیں :۔

ہر آن دلوں وِچ یاں اپنے جو دھیاں گرو کا لاتے ہیں
اور سیوک ہو کر ان کے ہی ہر صورت وِچ کہلاتے ہیں
گر اپنی لطف و عنایت سے سُکھ چین انھیں دکھلاتے ہیں
خوش رکھتے ہیں ہر حال انھیں سب مَن کا کاج بتاتے ہیں
اس بخشش کے اس عظمت کے ہیں بابا نانک شاہ گرو
سب سیس نوا ارداس کرو اور ہر دم بولو واہ گرو

اس سے بھی زیادہ ٹھیٹھ پنجابی کی ایک تضمین ملاحظہ ہو :۔

ہوئی وہ تقصیر مجھ سے کیا اب تو جس کے باعث ہوا جدا ہے
مرا تو جان و دل اسے پر یہ وہ تجھی صنم پہ فدا ہوا ہے

کسی طرح سے تو جلد آجا نکلتی مُنہ سے یہی صدا ہے

تُساڈے ملنے نوں دل ہے بیکل یہی وہ گلاں نت آکھدا ہے

سدا لے میتوں دے اپنے گھر وچ نہیں تے اتھے اساڈے نال آ

اسی طرح پوربی اور چھتیس گڑھی وغیرہ بولیاں بھی بعض اشعار میں لکھ گئے ہیں۔ نظیر کی فطری ذہانت اور وسیع واقفیت سے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ نظیر نے ایک اور قسم کی اُردو میں شاعری کی ہے۔ اُس زبان کو گنواری اُردو کہہ سکتے ہیں۔ بعض سطح بینوں کا یہ خیال ہے کہ اس قسم کا کلام نظیر کی جہالت ثابت کرتا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ اوپر ثابت ہو چکا ہے کہ نظیر اچھّا پڑھا لکھا آدمی تھا۔ پھر گنواری زبان میں شعر لکھنا قصداً ہی ہوسکتا ہے۔ اور یقیناً نظیر کی ذہانت اور طبّاعی کی یہ ایک نئی اُپج تھی۔ اِس زبان میں مستقل طور پر کوئی نظم نہیں ملتی ہے۔ مگر جابجا اشعار پائے جاتے ہیں۔ یا بعض الفاظ اور ترکیبیں پائی جاتی ہیں۔ نظیر کی مستقل شاعری 'فارسی' ہندی (اُردو) برج بھاشا اور ونئی ہندی' میں ہے۔ نظیر کو اِن چار زبانوں کا شاعر کہہ سکتے ہیں۔

نظیر کا کلیات مدوّن کرنے والوں نے اور اُس کے ناقدین نے اُس کے اُردو و ہندی کلام کو بالکل خلط ملط کر دیا ہے۔ اور اسی وجہ سے یہ عام غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے کہ نظیر صرف اُردو کا شاعر تھا۔ دوسری وجہ اس غلط فہمی کی یہ ہے کہ نظیر کا پورا کلیات اُردو رسم الخط میں چھپا ہوا ہے اور غالباً نظیر نے اپنا سارا کلام اِسی رسم الخط میں لکھا ہوگا۔ لیکن جو کچھ اُردو

رسم الخط میں لکھا جائے اُس کا اُردو ہونا ضروری نہیں۔ ہندی زبان کی نظم و نثر اُردو رسم الخط میں لکھی جا سکتی ہے۔ اِس سے وہ اُردو نہیں ہو جائے گی۔ اسی طرح اُردو زبان کی نظم و نثر ناگری لپی میں لکھی جا سکتی ہے اِس سے وہ ہندی نہیں ہو جائے گی۔ چکبست کی مثنوی صبح وطن ناگری حروف میں بھی چھپی ہوئی ملتی ہے۔ مگر زبان کے اعتبار سے وہ اُردو ہے۔ اِسی طرح جائسی کی پدماوت اُردو حروف میں چھپی ہوئی ہے مگر زبان کے اعتبار سے وہ اُردو نہیں۔

یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ ہندی اور اُردو ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ پہلا نام ہندی ہے اور آخری نام اُردو۔ نظیر نے جو سنسکرت آمیز اُردو لکھی ہے یہ بھی حقیقت میں اُردو ہی ہے۔ اِسے اصل میں پنڈتانہ اُردو کہنا چاہیئے۔ جیسے وہ اُردو جس میں عربی کا امتزاج بہت ہوتا ہے مولویانہ اُردو ہوتی ہے۔ اصل میں نظیر نے اس قسم کی زبان صرف اُن نظموں کے لئے استعمال کی ہے جن کا تعلق ہنود کی مذہبی روایات سے ہے۔ مثلاً جنم کنھیا جی۔ کنھیا کا بالپن۔ کنھیا کی بانسری۔ کنھیا کی سگائی۔ سری کرشن اور نرسی اوتار۔ درگا جی کا درشن وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ہنود کے لئے یہ نظمیں قریب الفہم ہیں کیونکہ اُنھیں اپنی مذہبی روایات سے واقفیت اور ضروری مذہبی اور سنسکرت اصطلاحوں اور الفاظ سے مناسبت ہوتی ہے۔ لیکن عام ہندوستانیوں کے لئے یہی نظمیں نہایت مشکل ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ نظیر نے اِن نظموں کو خاص ہندوؤں کے لئے لکھا۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اِن نظموں کے وہی عنوان ہیں جن پر عموماً پنڈت کتھا

کہا کرتے ہیں۔ اُن کی کتھائیں نثر میں ہوتی ہیں کہیں کہیں کوئی بھاشا یا سنسکرت کا شعر بطور تلمیح کہہ جاتے ہیں۔ نظیر نے اِن کتھاؤں کو نظم کا جامہ پہنا دیا ہے۔ یہ محض قیاس نہیں کلیات نظیر میں بعض نظمیں کتھا کے نام سے بھی موسوم ہیں۔ مثلاً دسم کتھا[۱] وغیرہ۔ چونکہ نظیر نے اِن نظموں میں ایک خاص قسم کی زبان لکھی ہے جو عام فہم نہیں ہے اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ خاص ایسے لوگوں کے لئے لکھی گئی ہے جو اِس زبان کو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں اور وہ ہنود ہیں۔ اِس کی مثال ٹھیک ایسی ہی ہے جیسے ایک مولوی اپنے وعظ میں ایک خاص قسم کی زبان استعمال کرتا ہے جس میں قال اللہ و قال الرسولؐ وغیرہ قسم کی چیزیں اکثر اور بار بار آتی ہیں۔ اور کبھی کبھی جوش میں ع دید مجنوں را یکے صحرا نورد۔ بھی الاپنے لگتا ہے۔ یہ چیز مسلمانوں کے لئے تو عام طور پر قریب الفہم ہوتی ہے مگر غیر مسلموں کے لئے اِس کا سمجھنا نہایت مشکل ہوتا ہے۔ پھر یہی زبان کبھی کبھی تحریر میں بھی استعمال ہوتی ہے جیساکہ الہلال کے گزشتہ فائلوں کو دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ یہ زبان ہوتی تو ہے اُردو ہی مگر مولویانہ اُردو ہوتی ہے جس طرح اس 'مولویانہ اُردو' کو ہندوستان کی عام زبان نہیں کہہ سکتے اُسی طرح اُس 'پنڈتانہ اُردو' کو بھی جس میں نظیر نے بعض نظمیں لکھی ہیں اور جس کو اب ہندی کا نام دے کر رائج کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ہندوستان کی عام زبان نہیں کہہ سکتے۔

---

[۱] کلیات نظیر مطبع نامی کانپور صہ ۱۶۹

مولویانہ اُردو کا استعمال مسلمانوں کی مذہبی ضروریات میں، اور پنڈتانہ اُردو کا استعمال ہندوؤں کی مذہبی ضروریات میں ناگزیر ہے اور بالکل جائز ہے۔ لیکن اس کو ہندوستان کی عام زبان بتا کر عام کاروبار اور روزمرہ کی گفتگو یا دفتری خط و کتابت میں یا تعلیمی مشاغل میں زبردستی جاری کرنا انتہا درجہ کی حماقت اور ظلم ہے۔ ہندوستان کی عام زبان جس کا نام اُردو بھی ہے اور ہندی بھی وہی ہے جس میں نظیرؔ نے اپنی اکثر نظمیں جو اُس کی شاعری کی جان ہیں لکھی ہیں مثلاً برسات کی بہاریں۔ ہولی کی بہاریں۔ کلجگ۔ ہنس نامہ۔ بنجارہ نامہ وغیرہ۔ آج کل جس زبان کو اُردو کے مقابلہ میں "ہندی" کا نام دیکر جاری کیا جارہا ہے، اس کے لئے یہ نام تاریخی، علمی، اور ادبی حیثیت سے غلط ہے۔ اِسے صرف پنڈتانہ اُردو کہہ سکتے ہیں۔ کاش نظیرؔ کی صاف اور سلیس اُردو کی تقلید کر کے ملک کو اس "پنڈتانہ اُردو" اور "مولویانہ اُردو" سے نجات دلائی جاسکے۔ یہ ملک کی حقیقی خدمت ہوگی۔

نظیرؔ نے اُردو میں غزلیں بھی لکھی ہیں اور نظمیں بھی۔ نظموں میں مخمس۔ مسدس۔ ترکیب بند اور ترجیع بند وغیرہ ہیں۔ غزلوں کی زبان اپنے زمانہ کے اعتبار سے اچھی اور معیاری ہے۔ ہاں طبعی شوخی کی وجہ سے کلام میں بالعموم وہ متانت نہیں ہے جو اور اساتذہ کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ غزلوں میں عروضی بے اعتدالیاں بھی بہت کم ہیں۔ نظموں میں بعض کی زبان بھی اچھی ہے اور عروضی غلطیوں سے بھی فی الجملہ پاک ہیں، جیسے عاشق نامہ، تندرستی نامہ، خوشامد، مفلسی، معجزہ حضرت علیؑ، حضرت سلیم چشتی وغیرہ لیکن بعض نظموں کی

زبان بہت گری ہوئی ہے، اور قواعد و عروض کی غلطیاں کثرت سے ہیں۔ طرز بیان بھی پست اور سوقیانہ ہے اور بعض مضامین بھی متبذل بلکہ فحش ہیں۔ جیسے جوانی، بڑھاپا، فقیروں کی صدا، ہولی کی بہار، دوالی وغیرہ۔ پھر کچھ اور نظمیں بھی ہیں جو معلوم ہوتا ہے محض ذوق فحاشی کی تسکین کے لئے لکھی گئی ہیں اور ایسی ہیں جن کی مثال شاید اُردو ادب میں اور کہیں نہیں مل سکتی۔ ہم ان سے قطع نظر کرتے ہیں۔

نظمیں اپنے موضوع کے اعتبار سے مختلف اور متنوع ہیں۔ کچھ نظمیں موسمی کیفیتوں پر ہیں جیسے برسات کی بہاریں اور موسم زمستاں وغیرہ اور اپنے رنگ میں خوب ہیں۔ موسم کا اچھا اور فطری نقشہ پیش کیا ہے اور منظر کشی خوب کی ہے، اور مقامی رنگ تو اتنا گہرا ہے کہ اُن کا پورا لطف صرف ہندوستانی ہی اُٹھا سکتے ہیں۔ جا بجا عریانی اور فحاشی بھی آگئی ہے جو اِن کی طبیعت ثانیہ معلوم ہوتی ہے۔

تہواروں پر جو نظمیں لکھی ہیں وہ ہندو مسلم دونوں قوموں کے تہواروں کے متعلق ہیں، اُن میں سے ہولی پر متعدد نظمیں ہیں اور جوش و رنگینی کے اعتبار سے سب سے بڑھی ہوئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ نظیرؔ کے فطری ذوق کا اظہار اِن نظموں سے بڑھ کر اور کہیں نہیں ہو سکتا ہے اور اسی لئے اِن میں سے بعض نظمیں سخت فحش ہیں۔ اِن نظموں میں بھی مقامی رنگ گہرا ہے اور ہونا بھی چاہئے تھا۔ تہوار چاہے ہندوؤں کے ہوں چاہے مسلمانوں کے، بالکل مقامی چیزیں ہیں اور اِن میں مقامی خصوصیات اس قدر ہیں کہ اِنھیں

خالص ہندوستانی کہنا چاہیئے۔ جب تک اُن مقامی خصوصیات کا ذکر نہ کیا جائے۔ اِن کے بیان کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ نظیرؔ کا کمال صرف یہی نہیں کہ اُنھوں نے سب سے پہلے اِن موضوعات پر قلم اُٹھایا، بلکہ یہ بھی ہے کہ اِن نظموں میں تہواروں کا محض خیالی نہیں بلکہ واقعی بیان ہے۔

نظیرؔ کی قوّتِ مشاہدہ بہت زبردست تھی اپنے گرد و پیش کی چیزوں کو خوب دیکھا اور اُن کی جزئیات پر بھی نظر ڈالی۔ یہ ضرور ہے کہ نظیرؔ کے مشاہدہ کو آج کل کے علمی (سائنٹفک) مشاہدہ سے کوئی نسبت نہیں اور اُسے اِس معیار پر جانچنا ظلم ہے۔ لیکن نظیرؔ نے اپنے زمانہ کے اعتبار سے ہر چیز پر کافی گہری نظر ڈالی ہے۔ اور جزئیات کا بھی کافی استقصا کیا ہے۔ آگرہ کی تیراکی پر جو نظم ہے اُس میں پیراکی کے فن کے متعلق ایسی ایسی باتیں بیان کی ہیں جن کا اب سمجھنا بھی دشوار ہے۔ کبوتر بازی میں کبوتروں کی اقسام اور ہنس نامہ میں چڑیوں کی جتنی قسمیں لکھی ہیں وہ اُردو ادیبوں کے لئے حیرت انگیز ہیں۔

نظیرؔ نے دنیا کا کافی تجربہ کیا تھا۔ ہر طرح کے لوگوں سے ملے، ہر طرح کی مجلسوں اور مجمعوں میں شرکت کی، خود طرح طرح کے سوانگ بنائے، جوانی کی بہاریں لوٹیں، ایک لمبے بڑھاپے میں جب جوانی کے ہنگاموں سے فرصت ملی دنیا اور دنیا والوں پر گہری نظر ڈالی، اور اُن سب کا نچوڑ اپنی اِن نظموں میں پیش کر دیا جو اُردو ادب میں دنیاوی معاملات کے لئے ہمیشہ شمعِ ہدایت بنی رہیں گی۔ اِس میں شک نہیں کہ اِن نظموں میں کوئی شاعری

نہیں ہے، صرف حقیقت ہی حقیقت ہے۔ وہ بھی عام طور پر خوش آیند و خوشگوار نہیں بلکہ تلخ و ترش۔ لیکن کیا کیجیے کہ جوانی کے خواب نوشیں کے بعد جب انسان کی آنکھ کھلتی ہے تب ہی یہ حقیقتیں اُس پر منکشف ہوتی ہیں اور اُن میں تلخی و ترشی ہی کی چاشنی غالب ہوتی ہے لیکن ان تجربوں کی تلخی کے باوجود نظیر کے بیان میں تلخی نہیں، بلکہ شگفتگی ہے۔ نظیر نے شاعری نہیں کی ہے لیکن اپنے تجربوں کو سیدھے اور صاف الفاظ میں اس طرح بیان کر دیا ہے کہ وہ باتیں دل میں اُتر جاتی ہیں۔ "نظم مفلسی" میں افلاس کی تلخیوں اور مجبوریوں کا کتنا سچا بیان ہے۔ دنیا والوں کی فریب کاریوں اور خود غرضیوں کا کتنا صحیح نقشہ "اہل دنیا" میں پیش کیا ہے۔ ناتجربہ کاروں کے لئے اس میں کیسا کارآمد سبق ہے۔ 'زر' کی قدر و قیمت کون نہیں جانتا، مگر ہماری زندگی کے مختلف شعبوں پر یہ جس قدر حاوی ہے، اور ہمارے مختلف اعمال کا محرک جس قدر یہ ہے اُس پر کم لوگوں کی نظر جاتی ہے۔ نظم "زر" کو پڑھیے اور اِس حقیقت کو سمجھیے۔

بڈھے شاعر کو جب دنیا اور اہل دنیا کا کافی تجربہ ہو جاتا ہے، اور اُس کا دل اس طرف سے سرد ہونے لگتا ہے، تو اُس کی نظریں اوپر کی طرف اُٹھتی ہیں اور اُس کا دماغ اخلاق و تصوف کی فضاؤں میں پرواز کرنے لگتا ہے۔ یہی انسانی پرواز کی آخری حد بھی ہے۔ اِس میدان میں نظیر نے جو جولانی طبع دکھائی ہے وہ اپنی آپ نظیر ہے۔ تخیل کی دنیا میں پرواز کرنا بہت آسان بھی ہے اور بہت مشکل بھی اگر نرا تخیل ہی تخیل ہو جس کو حقائق زندگی سے

کوئی تعلق نہ رہے تو گو پرواز بہت بلند ہو سکتی ہے مگر زندگی سے علٰحدگی کی وجہ سے نہ ایسی خیال آرائی مؤثر ہو سکتی ہے نہ مفید۔ ہاں انسان کا طائرِ فکر ہر قید و بند سے آزاد ہو کر خوب پرواز کر سکتا ہے اور اتنا اونچا جا سکتا ہے کہ نظروں سے بھی اوجھل ہو جائے۔ لیکن جب طائرِ خیال کے پانوں میں ایک ڈوری بندھی ہوئی ہو اور اُس کا دوسرا سرا اُس کے زمینی آشیاں سے بھی وابستہ ہو تو پھر اُس کی پرواز ایک نہایت مشکل کام ہے اور اُس پرواز میں اپنے توازن کو قائم رکھنا اور کافی بلندی تک جانا صرف ایسے ہی دل و دماغ کا کام ہے جو ایک طرف بلند پروازی کی کافی صلاحیت رکھتا ہو اور دوسری طرف حقائقِ زندگی سے آنکھیں بند نہ کر لیتا ہو۔ یہی نظیرؔ کی خصوصیت ہے اور اسی وجہ سے نظیرؔ کا اخلاقی اور متصوفانہ کلام اس قدر مؤثر ہے۔ بنجارہ نامہ اور کلجگ کی مثال سے اُردو ادب کیا اور بھی بہت سی زبانوں کے ادب خالی ملیں گے۔ انھیں نظموں کی وجہ سے بعض لوگوں نے نظیرؔ کو 'سعدیِ ہند' کا لقب دیا اور شکسپیر کا مد مقابل ٹھہرایا ہے۔

نظیرؔ کی فحش گوئی سے جو اُن کا عجیب ترین مشغلہ معلوم ہوتا ہے قطع نظر کر کے اُن کی نظموں کو دیکھا جائے تو بھی زبان اور مضامین کے اعتبار سے اُن میں ایک ابتذال اور سوقیانہ پن معلوم ہوتا ہے۔ قواعد و عروض کی غلطیاں بھی اُن کا ایک جزو ہیں۔ پُرانے بزرگوں نے عموماً اس کو نظیرؔ کی جہالت پر محمول کیا ہے اور اس لئے نظیرؔ کو مستند شعرا کی صف میں کوئی جگہ نہیں دی ہے۔ اِس کے متعلق تین نظریئے ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہی کہ نظیرؔ نے اپنی

کم علمی اور کم مائگی کی وجہ سے یہ غلطیاں کی ہیں۔ دوسرا یہ کہ اُردو میں اس طرح کی نظمیں پہلے پہل نظیرؔ نے لکھیں۔ پہلے سے ایسی نظموں کا کوئی نمونہ نظیرؔ کے پیش نظر نہیں تھا اور اُن کے لئے زبان درست نہیں ہوئی تھی۔ نظیرؔ نے جب اپنے اجتہاد سے اِن مضامین پر قلم اُٹھایا اور اِس قسم کی نظمیں لکھنا شروع کیں تو غزل کی زبان اور عروض و قواعد کی پابندیوں کو اُنھوں نے اپنی راہ میں ایک سنگ گراں پایا اور یا تو اضطراری طور پر اُن سے یہ پابندیاں نبھ نہ سکیں یا اُنھوں نے قصداً اُن سے قطع نظر کیا اور ان جھگڑوں سے آزاد ہو کر اپنے قلم کی جولانیاں دکھائیں۔ تیسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ نظیرؔ ایک عوام پسند اور عوام دوست شخص تھے۔ عوام سے ملنا جلنا راہ و رسم اور ہر قسم کے تعلقات تھے۔ عوام کی رسوم اور تہواروں سے نظیرؔ کو بیحد دلچسپی تھی اور اُن میں اُن کی شرکت بھی کھول کر ہوتی تھی جیسا کہ اکثر نظموں سے ثابت ہوتا ہے۔ عوام کے ساتھ دن رات اُٹھنا بیٹھنا۔ اُن کے مشاغل میں دلچسپی کے ساتھ شریک ہونا، اُن کے دُکھ درد میں ہمدردی کرنا، غرض یہ کہ اپنی ہستی کو بالکل عوام کی زندگی میں جذب کر دینا نظیرؔ کی زندگی کا نمایاں پہلو تھا۔ اس لئے قدرتی طور پر نظیرؔ پر عوام کی بول چال اور نشست و برخاست کا بہت گہرا اثر پڑا اور یہ خود اُسی رنگ میں رنگ گئے۔ نظمیں بھی اُنھوں نے اکثر عوام کی زندگی کے متعلق اور اُنھیں کے لئے لکھیں۔ چونکہ ان کا ذوق شعری اس قسم کی زندگی کی وجہ سے بہت عامیانہ ہو گیا تھا اور اُن کی زبان پر عام طور پر عامیانہ اور سوقیانہ الفاظ چڑھے ہوئے تھے۔ اس لئے

اُن کی شاعری نے بھی وہی رنگ اختیار کیا۔ اور جس طرح اپنی فطرت اور ماحول کے اثر سے غالبؔ خواص کے شاعر ہوئے، نظیرؔ اپنی فطرت اور ماحول کے زیر اثر عوام کے شاعر بن گئے۔ ان میں سے پہلی شق یعنی یہ کہ نظیرؔ کی شاعری اُن کی جہالت کی آئینہ دار ہے قابل تسلیم نہیں۔ اس کے متعلق پہلے ہی لکھا جا چکا ہے کہ نظیرؔ خاصے پڑھے لکھے آدمی تھے، فارسی کی استعداد معقول رکھتے تھے، عربی سے بھی کسی قدر آشنا تھے۔ اور فصیح اور فارسی آمیز اُردو لکھنے پر بھی قدرت رکھتے تھے۔ دوسری اور تیسری شقیں البتہ قابل لحاظ ہیں۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ اُردو میں نظم نویس کی حیثیت سے نظیرؔ کا درجہ مجتہد کا سا ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری میں ہر حیثیت سے اجتہاد کیا ہے۔ نئے موضوع اور مضامین چُنے تو اُن کے لئے نئی زبان اور نیا طرز بیان بھی اختیار کیا۔ اور ایسا کرنا ناگزیر تھا۔ اگر وہ اپنی نظموں کو غزلوں کی مروّجہ زبان میں لکھتے تو وہ نظمیں وہ نہیں ہوتیں جو اب ہیں۔ اوّل تو شاید یہ کوشش ہی بیکار جاتی، اور اگر بمشکل دو چار نظمیں لکھ بھی سکتے تو اُن میں وہ تاثیر جو نظیرؔ کی نظموں کی خصوصیت ہے نہیں پیدا ہوتی۔ نہ اُن سے خود نظیرؔ کو تشفی ہوتی نہ سُننے والے متاثر ہوتے بلکہ یہ نظمیں غزلوں سے بھی زیادہ بے جان اور بے اثر ثابت ہوتیں اور بیجا اور بے معنی تکلّف کا نمونہ نظر آتیں۔ نظیرؔ فطرتاً تکلّف اور تصنّع سے کوسوں دور تھے۔ اُن کے وجدان سلیم نے انھیں اِن نظموں کے لئے ایسا طرز بیان بتایا جو بالکل غیر مصنوعی اور فطری تھا۔ اور انھوں نے دانستہ اس کو اختیار کیا۔ اِس حد تک تو اُن نظموں کی زبان و بیان میں

خود نظیرؔ کے قصد اور ارادے کو دخل تھا۔ لیکن نظیرؔ پر اگر عامیانہ اور سوقیانہ مذاق کا رنگ نہ چھایا ہوتا تو اُن کی علمیت اور ادبیت سے یہ توقع تھی کہ وہ ایسی زبان لکھتے اور ایسا پیرایۂ بیان اختیار کرتے جو باوجود عام پسند ہونے کے ستھرے مذاق کے لوگوں پر گراں نہیں گذرتا اور اُن سے قواعد و عروض کی ایسی معمولی معمولی غلطیاں سرزد نہیں ہوتیں۔ لیکن وہ تو عوام میں اِس قدر جذب ہو گئے تھے کہ اُن کا عامیانہ پن اُن کے علمی اور ادبی مذاق پر غالب آگیا تھا۔ اور شاید اُنھیں اس کا احساس بھی بہت کم رہ گیا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں یہ خوش مذاق لوگوں کے لیے نامطبوع ہوگا۔ روزمرہ کے تجربہ کی بات ہے کہ عوام کی زبان پر اکثر گالیاں چڑھی ہوئی ہوتی ہیں اور وہ وقت بے وقت جا و بیجا اپنی گفتگو میں اُن کو اس طرح استعمال کرتے رہتے ہیں گویا یہ باتیں اُن کے کاروبارِ زندگی کا ایک جزو لاینفک ہیں، اور اُن کو ایسی باتیں کرتے وقت ذرا بھی شرم و حیا کا احساس نہیں ہوتا۔ لیکن وہی باتیں جب ایک مہذّب انسان سُنتا ہے تو اُسے بیحد تکلیف ہوتی ہے اور شرم آتی ہے۔ عوام کے ساتھ اختلاط نے جہاں نظیرؔ کی معلومات میں اس قدر وسعت اور اُن کی ہمدردیوں میں اِتنی عمومیت پیدا کی وہاں اس لطیف احساسِ تہذیب سے بھی جو اعلیٰ تمدن کی خصوصیت ہے اُنھیں محروم کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جب عریاں نگاری پر اُتر آتے ہیں تو ایسی فحش گوئی کرتے ہیں کہ مہذّب آدمیوں کو اپنے کان آنکھ بند کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔

دَورِ جدید کے بعض نقادوں نے نظیرؔ کو ایک باغی شاعر کی حیثیت

سے پیش کیا ہے۔ اور بعض حضرات نے تو انھیں خاصا اشتراکی قرار دے دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نظیر نے اپنے زمانہ کے اعلیٰ طبقہ کے تمدن، تہذیب، زبان اور ادب ہر چیز سے بغاوت کی اور طبقہ عامہ کے مذاق، رجحانات، ضروریات وغیرہ کو پیش نظر رکھ کر اپنی نظمیں لکھیں۔ یہ اسی طرح کا دعویٰ ہے جیسے غالب کو بھی ایک انقلابی شاعر کہا جاتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ غالب کی فطرت انقلاب پسند واقع ہوئی تھی اور اُن کے کلام میں فطری طور پر ایسا رنگ پیدا ہو گیا ہے جو اس زمانہ کے رنگ سے مختلف ہے اور جس سے اُردو ادب میں ایک نئے رنگ یا دبستان کی بنیاد پڑتی ہے تو یہ قریب بہ صحت ہوگا، اور عہد حاضر کے انقلابی شاعروں نے کلام غالب سے کافی استفادہ بھی کیا ہے۔ لیکن یہ سمجھنا کسی طرح صحیح نہیں کہ غالب کو آیندہ انقلاب کا احساس ہو گیا تھا اور اُنھوں نے دانستہ اور بالارادہ ایک ایسی شاعری کی بنیاد ڈالی جو انقلابی شاعری کی پیشرو تھی۔ غالب میں جو انقلابیت ہے وہ صرف اِسی قدر ہے کہ اپنے اور زمانہ کے حالات سے ان میں ایک قسم کی بے چینی اور بے اطمینانی پائی جاتی ہے، اور زمانہ جو رنگ بدل رہا اور طبقہ خواص کو جس کے وہ خود ایک ممتاز رُکن ہیں اُن تمام آسانیوں، رعایتوں اور زندگی کے مزوں سے جو اُن کے لئے مخصوص تھے محروم کر رہا ہے یہ اُن کے لئے سخت تکلیف دہ اور سوہانِ روح ہے۔ لیکن بجائے اِس کے کہ اِن حالات میں اُن کے اندر انقلاب پیدا کرنے کا جذبہ ہو وہ صرف اِس دنیا سے بھاگ کر کسی امن و سکون کی جگہ پناہ لینا

چاہتے ہیں۔ ؎

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو　　ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو

نظیر کے متعلق بھی اگر یہ کہا جائے کہ اُنھیں طبقہ خواص سے فطری طور پر مناسبت اور ہمدردی نہیں تھی وہ اس طبقہ کی شان و شوکت، عیش و عشرت، حکومت و دولت کو زیادہ وقیع نہیں سمجھتے تھے، اُن کی نظر میں اس خودداری اور تمکنت کی جو خواص کی امتیازی شان تھی کوئی وقعت نہیں تھی۔ وہ ایک ہنستے، کھیلتے، آزاد منش اور لبسیار آمیز آدمی تھے، وہ اس قناعت کو جو مفلسی میں بھی لطف زندگی بخشتی ہے امارت کی نعمتوں سے کہیں بہتر سمجھتے تھے، وہ خود غریب تھے اور غربا کے ساتھ اُنھیں موانست اور مخالطت تھی، اُن کی خوشیوں سے لطف اُٹھاتے تھے اور اُن کی تکلیفوں میں ان کے ساتھ ہمدردی کرتے تھے، اور اُن کے بھی بالکل وہی جذبات تھے جو اُس زمانہ میں عوام کے جذبات ہوتے تھے تو زیادہ صحیح ہوگا۔ یہی وہ حالات اور جذبات تھے جنھوں نے نظیر سے وہ نظمیں کہلوائیں جنھوں نے اُردو میں شاعری کی ایک نئی راہ کھول دی اور ایک نیا دلبستان قائم کر دیا۔ اس میں شک نہیں کہ نظیر نے غیر شعوری طور پر اپنے عہد کی مروجہ اور مقبولہ شاعری سے مخالفت کر کے اپنے لیے ایک نیا رستہ نکالا، لیکن یہ کہنا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا کہ نظیر نے قصداً اس عہد کی تہذیب و تمدن اور ادب و شاعری سے بغاوت کی۔ بغاوت کے لئے جذبات میں تلخی اور ناگواری، نفرت اور غصہ پہلی شرط ہے، اور نظیر کے یہاں اس چیز کا بالکل پتہ نہیں۔ وہ ہزار خوش مزاج، ہنس مکھ

اور ظریف الطبع سہی، لیکن جذبات بغاوت کی تلخی ایسی نہیں ہوتی ہے جو چھپ جائے وہ ضرور کہیں نہ کہیں ظاہر ہوتی ہے، نظیر تو صرف اپنے عہد کے عوام کے خیالات و جذبات کے آئینہ دار تھے۔ اُس زمانہ میں لوگوں کو موجودہ اشتراکی بغاوت کی ہوا بھی نہیں لگی تھی، اس کا وہم و گمان بھی نہیں تھا۔ غرض نظیر نہ باغی شاعر تھے نہ اشتراکی۔ اور اگر اُن کے سامنے یہ چیز پیش بھی کی جاتی تو وہ شاید پسند اور قبول نہ کرتے۔ یہ ہمارے نئے باغی اور اشتراکی ادیبوں کی اُپج ہے کہ انھوں نے نظیر کو بھی اپنا ہمنوا قرار دے لیا۔ اُن کے نزدیک بغاوت سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ یہ تمام صفات حسنہ کا خلاصہ اور جوہر ہے، یہ چیز اُن کی زندگی کا نصب العین اور مقصود بالذات ہو گئی ہے۔ بغاوت اصل میں ایک عارضی اور ہنگامی کیفیت ہے، اور یہ کسی مقصود کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے اور جب اس مقصود کے حصول میں کامیابی ہو جاتی ہے تو بغاوت خود فرو ہو جاتی ہے۔ مستقل باغی تو اس عالم میں صرف ایک ہی ہستی قرار دی جا سکتی ہے۔ لیکن اُن عزیزوں کو کیا کہئے جو بغاوت ہی کو مقصود بالذات سمجھتے ہیں اور جو چیز اُن کو پسند آتی ہے اس میں وہ بغاوت کے اجزاء تلاش کرنے لگتے ہیں کیونکہ اُن کے نزدیک کسی چیز میں اجزائے بغاوت کی آمیزش کے بغیر حسن ہی نہیں پیدا ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ نظیر کے کلام میں انھیں بغاوت کا رنگ نظر آتا ہے۔ اور وہ اُنھیں سماج کا باغی شاعر قرار دے دیتے ہیں۔

نظیر کی زندگی جوش حیات سے لبریز معلوم ہوتی ہے۔ گو اُن کے

اکثر اوقات عسرت میں گذرے اور اُن کا تعلق غربا کے طبقہ سے رہا لیکن ان حالات میں بھی اُنھوں نے زندگی کا پورا پورا لطف اُٹھایا اور عیش و عشرت کی خوب داد دی۔ کوئی تماشا ایسا نہیں تھا جسے نہ دیکھا ہو، کوئی میلہ ٹھیلہ ایسا نہیں تھا جس کے ہنگاموں میں شریک نہ ہوئے ہوں بلکہ اکثر موقعوں پر "خود تماشا و خود تماشائی" کا مصداق بن جاتے تھے۔ وہ ایک صحبت پسند اور مردم آمیز آدمی تھے۔ اُنھیں انسانی ہنگاموں سے دلچسپی تھی اور بھیڑ بھڑکوں سے بہت لطف اُٹھاتے تھے بلکہ جانوروں کی کثرت سے بھی نہیں گھبراتے تھے۔

اک طرف کو تھیں سیکڑوں لڑکوں کی پکاریں
اک طرف کو تھیں پیر و جوانوں کی قطاریں
کچھ ہاتھیوں کی قیق اور اونٹوں کی ڈکاریں
غل شور، مزے، بھیڑ، ٹھٹھ، انبوہ، بہاریں

یہ تھا اُن کی طبیعت کا اصلی رنگ۔ اور یہی اُن کے کلام کی مابہ الامتیازانہ خصوصیت ہے۔ اُردو زبان کا کوئی دوسرا شاعر ایسا نہیں ہے جس کے کلام میں جوش حیات کا ایسا پُرزور اظہار ہو۔ وہاں تو عام طور پر رنج و غم، یاس و حرماں، بیدلی و بے دماغی کا رنگ چھایا ہوا ہے۔ جن کے کلام میں جوش بیان اور شوکتِ کلام بھی ہے۔ جیسے سودا، غالب وغیرہ اُن کی نظر بھی زندگی کے تاریک پہلو پر زیادہ ہے اور انھیں دنیا کی چیزوں کی بہ نسبت اپنی ذات سے زیادہ بحث ہے۔ غرض اِس ساری جماعت میں قنوطیت

اور داخلیت کا اثر زیادہ ہے، اور یہ چیز قوت حیات کے ضعف پر دلالت کرتی ہے۔ اُن کے برخلاف نظیرؔ میں خارجیت اور رجائیت شدّت کے ساتھ ہے اور یہ اُن کے جوش حیات کا بیّن ثبوت ہے جیسے ایک تندرست اور صحیح القویٰ آدمی اپنی جسمانی حالت سے بالکل غافل اور بے پروا رہتا ہے اور اُس کے گرد وپیش جو چیزیں ہیں اُن میں اپنی ضرورت اور صلاحیت کے مطابق مصروف اور اُن پر متصرّف رہتا ہے اسی طرح نظیرؔ کو اپنے ذاتی اور اندرونی جذبات وکوائف کی طرف کبھی توجہ نہیں ہوتی اور نہ اِس کی فرصت ملتی ہے۔ وہ تو صرف اپنے ابنائے جنس کے حالات سے بحث رکھتے ہیں، انھیں کے ساتھ ساتھ زندگی کے لطف اُٹھاتے ہیں، اور انھیں کی تکلیفوں اور پریشانیوں کا اظہار کرتے ہیں۔ اِس جیتی جاگتی زندگی میں تو نہیں، ہاں خواب کی دنیا میں کبھی کبھی انھیں اپنے پُر لطف جذبات کا احساس ہوتا ہے وہ بھی خارجی رنگ میں، اور وہ انھیں جوں کا توں بیان کر دیتے ہیں۔ بخلاف نظیرؔ کے اُردو کے دوسرے شعرا کی حالت ایک مریض یا ضعیف القویٰ آدمی کی سی ہے جو اکثر امراض کی تکلیف یا اپنا ضعف محسوس کرتا ہو اور کمزوریوں اور مصیبتوں پر غور کرنے کے لئے اکثر اپنی ذات کے اندر کھویا سا رہتا ہو، کبھی اپنے سر میں درد محسوس کرتا ہو اور سر پکڑ کر رہ جاتا ہو، کبھی اُس کی پسلی چمک جاتی ہو اور اِس سے بے چین ہو جاتا ہو، کبھی اُٹھتے اُٹھتے آنکھوں میں اندھیرا سا چھا جاتا ہو اور گرتے گرتے بچتا ہو یا بیٹھ جاتا ہو، اکثر یہ سوچا کرتا ہو آخر اِن بیماریوں اور کمزوریوں کا کیا

سبب ہے آخر وہ کیوں اس قدر بد قسمت پیدا ہوا، دوسرے لوگ کیوں اتنے صحیح و تندرست، مستعد و متحرک، صحیح اور قوی ہیں! ایسے لوگ فطرتی طور پر داخلی المزاج ہوتے ہیں، اور اکثر اپنے ہی ساتھ مصروف رہتے ہیں دوسروں کی طرف اور اس دنیا کی چیزوں کی طرف توجہ کرنے کی انھیں نہ فرصت ہوتی ہے نہ توفیق۔ جب ایسے لوگ شاعری کرنے لگتے ہیں تو اپنے داخلی کوائف کو مؤثر طریقہ پر بیان کر دینا شاعری کا کمال فن سمجھتے ہیں۔ وہ زندگی کی اُن خارجی لذتوں اور کیفیتوں سے واقف ہی نہیں ہوتے۔ جن کا کلام نظیر آئینہ دار ہے۔ نظیر میں صرف خارجیت ہی نہیں ہے بلکہ اُن کی نظر ہمیشہ زندگی کے روشن پہلو پر پڑتی ہے، اور اپنے ماحول سے وہ زیادہ سے زیادہ لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اگر فطرت کی رنگینیوں اور موسمی کیفیتوں کی طرف توجہ ہوتی ہے تو صرف برسات کی بہاریں ہی اُن کے لئے جاذب نظر نہیں ہوتیں بلکہ جاڑے کی کپکپی اور گرمیوں کی اوس بھی اُن کے لئے سامان تفریح بنجاتی ہیں۔ اگر کسی چیز کی برائی یا تکلیف کا بیان کرتے ہیں تو خود ہنستے جاتے ہیں اور دوسروں کو ہنساتے جاتے ہیں، اور معلوم ہوتا ہے کہ اُن برائیوں اور تکلیفوں کے اندر بھی اُنھیں زندگی کا لطف مل رہا ہے۔ اور اگر کوئی مزیدار چیز ہے تو اُس کے مزوں کا کیا کہنا۔ پنکھے اور کورے برتن سے کیا کیا لطف اٹھائے ہیں۔ عید اور شب برات، ہولی اور دوالی، اکبر آباد اور تاج گنج، ککڑی اور تربوز، کبوتر بازی اور پیراکی، ہر نظم زندگی کے نغموں سے معمور ہے۔ ایسے عنوانات بھی جن پر داخلی رنگ کی نظمیں خوب ہو سکتی

ہیں جیسے لڑکپن، جوانی، بڑھاپا، عاشق وغیرہ نظیر کے یہاں بالکل خارجی رنگ میں پیش ہوتے ہیں، اور رجائیت کا پہلو ہمیشہ اُن میں بھی غالب نظر آتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ اخلاق و تصوف کی نظمیں جن میں سے بعض نظیر کی شاہکار سمجھی جاتی ہیں جیسے بنجارہ نامہ، کلجگ، فنا نامہ، موت وغیرہ وہ بھی سراسر خارجی ہی رنگ میں ہیں۔ دنیا کے تجربہ اور تلخیوں نے شاعر کو غور و فکر پر مجبور کیا ہے اور اس کی نظر زندگی کے انجام پر پڑنے لگی ہے، مگر اس کے متعلق بھی اس کے اپنے نفسی کوائف کیا ہیں، اس کا پتہ نہیں چلتا۔ دنیا کے تجربہ سے شاعر کی نظر میں جو باتیں محقق ہو گئی ہیں اور وہ جس طرح ہر شخص کی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہیں اُن کا کھلا کھلا مگر مؤثر بیان ہے۔ شاعری شاعری ہے، چاہے وہ داخلی ہو چاہے خارجی۔ کسی نظم کو جانچنے کا صحیح معیار یہی ہے کہ دیکھا جائے اُس میں شعریت کتنی ہے۔ داخلی شاعری، رنگین، پُرجوش اور پُراثر بھی ہو سکتی ہے، اور پھر بھدی، پھس پھسی اور بے جان بھی، اِسی طرح خارجی شاعری بھی بھدی، پھس پھسی اور بے جان بھی ہو سکتی ہے، اور رنگین، پُرجوش اور پُراثر بھی۔ حقیقی شاعری وہی ہے جو رنگین، پُرجوش اور پُراثر ہو۔ جو دل سے نکلے اور دلوں میں اُتر جائے۔ اس کا موضوع اور عنوان چاہے کچھ بھی ہو، اس کا طرزِ بیان کیسا ہی ہو، اس میں کوئی ترتیب و تنظیم ہو یا نہ ہو اُسے دلچسپ اور دلکش ہونا چاہیئے، اُس کی مخصوص صفت یہ ہونی چاہیئے کہ جذبات میں ہیجان، روح میں بےچینی، قلب و دماغ میں تلاطم برپا کر دے کسی خاص شکل،

طرز و انداز کی تخصیص نہیں ؎

لبیک واذاں ناقوس وجرس یا خندۂ قلقل نالہ نے
دل کھینچنے میں ہاں کوئی ہو پر ایک صدائے دلکش ہو

اس معیار پر جو شاعری پوری اُترتی ہے وہی حقیقی شاعری ہے۔ جو شاعری اس معیار پر پوری نہیں اُترتی وہ اعلیٰ زبان، عمدہ طرز بیان، نفیس ترتیب و تنظیم کے باوجود شاعری نہیں کچھ اور چیز ہے۔ اُسے غزل کہہ لیجئے، نظم کہہ لیجئے مگر اس پر شاعری کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ نظیر کی شاعری اپنی خامیوں کے باوجود اس معیار پر پوری اُترتی ہے اور اُسے حقیقی شاعری کہہ سکتے ہیں۔

نظیرؔ کے کلام کی امتیازی صفت زندگی اور زندہ دلی ہے۔ نظیر کے خیالات اور جذبات زندگی کے ساتھ اس طرح لپٹے ہوئے ہیں کہ انھیں علاحدہ کرنا ممکن نہیں۔ اُن کا کلام کہیں سے دیکھئے، زندگی ہے کہ اُبلی پڑ رہی ہے۔ زندہ دلی زندگی کا لازمی جوہر ہے۔ جن لوگوں میں زندگی کا جوش ہوتا ہے وہ فطرتاً شگفتہ مزاج اور ہنس مکھ ہوتے ہیں۔ ہنسنا اور ہنسانا اُن کا قدرتی مشغلہ ہوتا ہے۔ نظیر کی ظرافت کا رنگ بھی یہی ہے۔ نظیر میں ظرافت مقصود بالذات نہیں ہے، بلکہ یہ اُن کے کلام کا ایک فطری خاصہ ہے اور بلا ارادہ بلکہ غیر شعوری طور پر جوش حیات کی بہتات سے جا بجا اُن کے کلام میں خود پیدا ہو جاتا ہے اُن کو اس سے غرض نہیں ہے کہ اُن کی باتوں کو سُن کر دوسرے لوگ ہنس پڑیں۔ وہ تو اپنی زندگی کی مسرّتوں سے خود کھِلے پڑ رہے ہیں، لبوں پر ہر وقت تبسّم ہے اور اکثر خندہ اور قہقہہ کی صورت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ لوگ اُن کو ہنستا دیکھ کر ہنسنے لگیں

تو یہ اور بات ہے۔ وہ اپنی بہار آپ ہیں اور اپنی شگفتگی میں کسی موسم، کسی وقت، کسی ہوا کے محتاج نہیں۔ نظیر کے کلام کی دوسری امتیازی صفت واقعیت، صداقت اور حقیقت نگاری ہے۔ اس حیثیت سے نظیر اُردو زبان میں اپنا نظیر نہیں رکھتے۔ عام طور پر تخیل کو شاعری کا لازمی جُز قرار دیا جاتا ہے۔ اور اُس کے بغیر شاعری میں رنگینی، جوش اور اثر پیدا کرنا ممکن نہیں سمجھا جاتا ہے۔ مگر نظیر کا یہ کمال ہے کہ تخیل کے بغیر بھی اُن کے کلام میں وہ سب کچھ ہے جسے روحِ شاعری کہا جاسکتا ہے۔ واقعات اور حقائق کا اِتنا سچّا اور مؤثر مرقع نظیر نے کھینچا ہے کہ پڑھ کر حیرت ہوتی ہے۔ اِسی ضمن میں نظیر کے کمالِ تصویر کشی کا بھی ذکر ضروری ہے۔ اِن کے کلام میں جا بجا لفظی تصویریں پائی جاتی ہیں، اور اکثر سچّی اور جیتی جاگتی تصویریں ہیں۔ اُردو زبان میں دوسری جگہ اِن کی مثالیں ڈھونڈھنے سے بھی نہیں ملیں گی۔ میر انیس کے مرثیہ میں بعض فطرتی مناظر یا میدانِ جنگ کی تصویر کشی خوب ہے۔ مگر اِن کا میدان محدود ہے نظیر کی تصویریں فطرتی مناظر کے علاوہ انسانی زندگی کے مختلف اور متنوع پہلوؤں سے تعلق رکھتی ہیں اور جس چیز کی تصویر اُتاری ہے، اُس کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔ نظیر کی شاعری کا موضوع فی الحقیقت انسان اور اُس کی زندگی ہے۔ فطرتی مناظر کی تصویر کشی جا بجا پس منظر کے طور پر آتی ہے پیش منظر میں ہمیشہ انسان اپنی گوناگوں رنگینیوں اور بوقلمونیوں کے ساتھ جلوہ گر نظر آتا ہے۔ مگر یہ انسان خیالی فضا اور ماحول میں نہیں، بلکہ ہمیشہ اپنے اصلی اور واقعی ماحول میں پایا جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ نظیر کی شاعری زندگی

سے اس قدر قریب اور اپنے اثر و نفوذ میں عدیم المثال ہے۔ نظیر جن تصویروں کو پیش کرتے ہیں اور جس ماحول میں پیش کرتے ہیں اُسی کے مطابق زبان بھی استعمال کرتے ہیں۔ یہ اُن کا ایک دوسرا کمال ہے۔ یہاں اس سے بحث نہیں کہ اس زبان میں بعض خامیاں اور خرابیاں بھی ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ جو زبان استعمال کی گئی ہے وہ اس زندگی کی صحیح آئینہ دار ہے یا نہیں جس کا نقشہ شاعر پیش کر رہا ہے۔ اگر اِس زندگی کو غالب کی زبان میں پیش کرنے کی کوشش کی جائے تو وہ کس قدر مضحکہ انگیز ہو جائیگی۔ اور اُن تصویروں کی کیسی صورت بگڑ جائے گی جنھیں نظیر اس صفائی، سادگی، حقیقت اور واقعیت کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

کلام نظیر میں اتنی خوبیوں کے باوجود خامیاں بھی ہیں اور وہ بالکل نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔ نظیر اپنی زبان اور عروض میں سب شاعروں سے زیادہ غیر محتاط، بے اصول اور آزاد ہیں۔ اس کے وجوہات سے اوپر بحث ہو چکی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ خرابیاں نظیر کی جہالت کی وجہ سے نہیں پیدا ہوئیں اِن میں سے اکثر مضامین کی جدّت اور نظموں کی نوعیت کی وجہ سے لاحق ہو گئیں اور اس میں ہم نظیر کو ایک حد تک معذور سمجھتے ہیں۔ پھر بھی نظیر اگر کچھ زیادہ غور و فکر اور احتیاط سے کام لیتے تو اِن خرابیوں سے بہت کچھ بچ سکتے تھے۔ اُن پر الزام یہی ہے کہ انھوں نے تقریباً اپنی ساری نظمیں بلا غور و فکر اور بلا کد و کاوش محض فطری جذبہ شاعری کے تحت میں لکھیں اور سرسری طور پر جو مضامین جن الفاظ اور ترکیبوں میں اُن کی زبان پر آئے اُنھیں اُسی طرح بلا قطع و برید لکھ دیا۔ لیکن یہ اگر اُن کی کمزوری ہے تو اُن کی سب سے بڑی قوت بھی ہے۔ اگر وہ ایسا

نہ کرتے تو اُن کی شاعری میں وہ فطری رنگ، وہ حقیقت طرازی، وہ روانی، وہ آمد اور وہ اثر نہیں باقی رہتا جو اب ہے۔ اس کے بجائے تصنّع، تکلّف اور آورد کا رنگ پیدا ہو جاتا اور اُن کی شاعری کا اصلی جوہر خاک میں مل جاتا۔ نظیرؔ کے کلام کی دوسری خرابی انوکھے، اجنبی، نامانوس الفاظ کی کثرت اور مرادفات کی تکرار اور بھر مار ہے۔ اُن میں سے بہت سے الفاظ اور ترکیبیں، خود ساختہ بھی ہیں اور اُن کی ذہانت اور طباعی ظاہر کرتی ہیں۔ بعض جگہ یہ ایجادیں خوبصورت اور خوش آیند بھی ہیں اور اچھا اثر پیدا کرتی ہیں۔ مگر بالعموم پڑھنے والے کی طبیعت اُن سے اگر منغض نہیں ہوتی تو گھبرا ضرور جاتی ہے۔ یہ نظیرؔ کی بڑی خامی ہے اور اس کی کوئی مناسب تاویل نہیں ہو سکتی۔ بعض جدید ناقدوں نے نظیرؔ پر یہ بھی اعتراض کئے ہیں کہ نظیرؔ کا مطمحِ نظر پست اور اُن کی ذہنیت ادنیٰ ہے اور اُن کی نظموں میں عدم توازن اور عدم تعمیر کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ ہمارے نزدیک شاعری کا جو مفہوم ہے اُس میں مطمحِ نظر کی بلندی، اور ذہنیت کا علو لازمی چیزیں نہیں۔ ہم تو صرف یہ دیکھتے ہیں کہ اُس میں شعریت ہے یا نہیں۔ ایک نظم اخلاقی اعتبار سے نہایت پست لیکن شاعرانہ نقطۂ نگاہ سے نہایت بلند ہو سکتی ہے اور نظیرؔ کی بعض نظمیں ایسی ہیں۔

رہا عدم توازن اور عدم تعمیر کا اعتراض تو یہ صحیح ہے لیکن اس سے بھی نظیرؔ پر کوئی حرف نہیں آتا۔ نظیرؔ تو ایک فطری شاعر ہے۔ اُس کے کلام کی مثال ایسی ہے جیسے چٹان سے صاف و شفاف پانی کا ایک چشمہ پھوٹ بہا اور پستیوں اور بلندیوں کو طے کرتا ہوا۔ جھاڑیوں سے اُلجھتا اور پتھروں کی

ٹھوکریں کھاتا ہوا اپنی قدرتی رو میں بہتا چلا جاتا ہے۔ نہ اُس کے کنارے سیدھے ہیں، نہ اُس کا عمق اور عرض ہر جگہ یکساں ہے، اُس میں مصنوعی تعمیر کی یکسانیت اور موزونی کہاں۔ پھر بھی اُس کے قدرتی حُسن پر مصنوعی نہروں کی ہزاروں تعمیری لطافتیں اور نزاکتیں، تناسب و توازن قربان ہیں۔

نظیرؔ کی خامیوں اور خرابیوں پر اُن کی خوبیاں اس قدر غالب ہیں کہ ہم اُنھیں بلا تکلّف اُردو شعرا کی صفِ اوّل میں جگہ دیتے ہیں، ایجاد و اجتہاد کے اعتبار سے تو اُنھیں اس بزم کا صدر نشین ماننا چاہیئے۔ اگر اُن میں زبان اور عروض کی کوتاہیاں اور بے احتیاطیاں نہ ہوتیں تو بلا شبہہ اُنھیں اُردو کا سعدی کہا جا سکتا تھا، پھر بھی اِن خامیوں کے باوجود ہم اُنھیں میر تقیؔ اور غالبؔ، میر حسنؔ اور انیسؔ کا ہم مرتبہ سمجھنے پر مجبور ہیں۔ بظاہر نظیرؔ کو میرؔ و غالبؔ، میر حسنؔ و انیسؔ کے رنگ سے کوئی مناسبت نہیں۔ یہاں اس حیثیت سے کوئی مقابلہ نہیں کیا جا رہا ہے۔ میرؔ و غالبؔ غزل گوئی کے اُستاد، میر حسنؔ مثنوی کے مردِ میدان اور انیسؔ مرثیہ اور رزمیہ شاعری کے فن کار ہیں۔ لیکن ہر اُستاد اپنے مخصوص میدان میں بے مثل ہے۔ یہی حالت نظیرؔ کی ہے۔ نظیرؔ اپنی نظم نویسی کے اعتبار سے اُردو زبان میں وہی اُستادانہ درجہ رکھتے ہیں جو دیگر اساتذۂ فن اپنے اپنے خاص فن میں اِس حیثیت سے نظیرؔ کی جگہ اُسی صف میں ہے، جس میں میرؔ و غالبؔ میر حسنؔ اور انیسؔ نظر آتے ہیں۔ اگر نظیرؔ کا مقابلہ موجودہ دور کے شعرا سے کیا جائے تو سب سے زیادہ وہ اکبرؔ الہ آبادی سے مشابہ نظر آتے ہیں۔

وہی ذہانت اور طباعی وہی ایجاد و اجتہاد کا مادہ، وہی ظرافت اور رنگینی دونوں میں پائی جاتی ہے۔ فرق یہ ہے کہ اکبرؔ زبان و عروض کے اعتبار سے نظیرؔ سے افضل ہیں لیکن ایجاد و اختراع میں اُن سے کمتر۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ ظرافت اکبرؔ کا موضوع و مقصود ہے، لیکن نظیرؔ میں یہ ایک قدرتی صفت ہے جو بالقصد نہیں ظاہر کی جاتی ہے بلکہ خود بخود جھلکتی رہتی ہے۔ تیسرا فرق یہ بھی ہے کہ اکبرؔ کی ظرافت میں جا بجا تلخی بھی آگئی ہے لیکن نظیرؔ میں کہیں نہیں۔ وہ بقول خود ؎

افلاس میں، ادبار میں، اقبال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

حافظ شمس الدین احمد

نظیر اکبرآبادی

سوانح نظیر اکبرآبادی کا نام ولی محمد اور اُن کے والد کا نام محمد فاروق تھا۔ اُن کی پیدائش کی تاریخ صحیح طور پر معلوم نہیں۔ چونکہ انھوں نے بہت طویل عمر پائی اور بہت سن رسیدہ ہو کر ۱۸۳۰ء میں انتقال کیا اس لئے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ اُن کی پیدائش محمد شاہ ثانی عرف محمد شاہ رنگیلے کے عہد میں اور نادر شاہ کے حملے کے قریب ہوئی ہوگی۔ مقام ولادت عام طور پر دہلی سمجھا جاتا ہے۔ مگر بعض لوگوں نے پٹنہ بھی بتایا ہے۔ بہر حال ایام طفولیت دہلی میں گذرے۔ احمد شاہ ابدالی کے حملہ کے وقت دہلی چھوڑ کر آگرہ چلے آئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ زیادہ تر محلہ تاج گنج میں رہے اور وہیں پیوند خاک ہوئے۔ اولاد ذکور میں سے خلیفہ گلزار علی کو اپنی یادگار چھوڑا۔ ذریعہ معاش عام طور پر معلمی کا شغل رہا۔ لالہ بلاس رام کے یہاں اُن کے لڑکے کو پڑھانے کی خدمت پر عرصہ تک ملازم رہے اور محض قلیل تنخواہ پر ساری زندگی گذار دی۔

علمیت اُن کی علمی قابلیت کے متعلق اختلاف ہے۔ عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ معمولی شُدبُد کے آدمی تھے۔ مگر یہ غلط ہے۔ اُن کے سارے کلام پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فارسی کی اچھی استعداد

رکھتے تھے، اور عربی سے بھی کسی قدر آشنا تھے۔ اس کے علاوہ برج بھاشا، پنجابی، پوربی وغیرہ مختلف مقامی بولیوں سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔

اخلاق و عادات نہایت نیک طینت، حلیم اور منکسر مزاج واقع ہوئے تھے۔ اُن کا مشرب صلحِ کُل تھا۔ کسی لڑائی جھگڑے سے سروکار نہیں رکھتے تھے۔ مذہبی تعصب سے بالکل بیگانہ تھے۔ غیر مسلم اقوام کے بزرگوں کی بھی عزت و عظمت کرتے تھے۔ اسی وجہ سے ہندو مسلمانوں میں یکساں عزیز و محبوب تھے۔ نہایت ملنسار، صحبت پسند اور بسیار آمیز آدمی تھے۔ گانے، ورزش اور سیر و تماشے سے خاص ذوق رکھتے تھے۔ جوانی کے زمانہ میں اُن کے اشغال جوانانہ رہے۔ بڑھاپے میں صوفی صافی بن گئے۔ نہایت قانع، شگفتہ مزاج اور ظریف الطبع تھے۔ زندگی کے مصائب کی کبھی پروا نہیں کرتے تھے، ہمیشہ خود بھی ہنستے رہتے تھے اور دوسروں کو بھی ہنساتے رہتے تھے۔

شاعری بہت پُرگو اور زود گو شاعر تھے۔ جس واقعہ سے متاثر ہوتے تھے، اُسے فوراً بے ساختہ نظم کی صورت میں ڈھال لیتے تھے۔ اکثر لوگوں کی فرمائش پر اُسی وقت نظم کہہ کر دے دیا کرتے تھے۔ اگر اُن کا سب کلام جمع ہوتا تو بہت بڑا دفتر ہو جاتا۔ چونکہ اپنے کلام کو محفوظ رکھنے کی طرف کبھی توجہ نہیں کی اس لئے زیادہ حصہ ضائع ہو گیا۔ جو بچ رہا اور شائع ہو گیا وہ بھی اُردو ادب کے لئے سرمایۂ ناز و افتخار ہے۔

محاسن نظیر فطرتی شاعر تھے، اُنھوں نے فنِ شاعری کسی سے نہیں سیکھا۔

فطری طور پر اپنی موزونی طبع اور شاعرانہ طبیعت سے مجبور ہو کر شاعری کرنے لگے۔ اُردو زبان میں نظم گوئی گویا موجد ہیں۔ نظموں کے لئے مضامین بھی ایسے اختیار کئے اور زبان بھی ایسی استعمال کی کہ اُردو ادب میں ایک نیا دبستان قائم کر دیا۔ ابتدا میں تعلیم یافتہ طبقہ میں اُن کی شاعری کی قدر نہیں ہوئی مگر رفتہ رفتہ لوگوں نے اُن کے کمال کو پہچانا۔ اُن کی زبان عامیانہ اور طرز بیان نہایت سادہ اور صاف ہے۔ نظموں کے لئے عموماً ایسے موضوعات کا انتخاب کیا ہے جو عوام کی زندگی سے متعلق اور اُن کی دلچسپی کا باعث ہیں۔ اُن کا کلام نہایت شوخ، رنگین، دلکش اور مؤثر ہے۔ اُن کے کلام میں ظرافت کا رنگ بھی نہایت شوخ اور پُر لطف ہے، اور اکثر نظموں میں ایک قدرتی چمک کی طرح جھلکتا ہے۔

اُردو شاعری عموماً فارسی کی مقلد ہے اور اس لئے اس میں مقامی رنگ گویا ہے ہی نہیں۔ اس کی زمین صحرائے عرب یا وادیٔ نجد ہے، اس کے پہاڑ کوہ بیستون اور کوہ قاف ہیں۔ اس کے دریا جیحون و فرات ہیں، اُس کے آسمان پر ایرانی ابر بہار کا قبضہ ہے، اس کے مکانات طاق کسریٰ اور قصر شیریں ہیں، اُس کے عشاق قیس و فرہاد ہیں، اس کے معشوق لیلیٰ و شیریں ہیں، اُس کے جنگجو رستم و اسفندیار ہیں۔ اس لئے اُردو شعرا کو مشکل سے ہندوستانی شاعر کہا جاسکتا ہے۔ لیکن نظیرؔ حقیقی ہندوستانی شاعر ہیں۔ اُن کے کلام میں مقامی رنگ نہایت واضح اور روشن ہے۔ چاہے وہ موسموں کا بیان ہو چاہے تہواروں کا، پھلوں کا تذکرہ ہو یا مقامات

کا، تجربہ اور نصیحت کی باتیں ہوں یا اخلاق و تصوّف کی، ہر جگہ ہندوستانی پن نمایاں ہے۔ جس طرح نظیر کے مضامین ہندوستانی ہیں اُسی طرح اُن کی زبان بھی خالص ہندوستانی ہے۔ اس میں غیر مُلکی الفاظ کی کثرت کے بجائے دیسی الفاظ کی بہتات ہے۔ ہندی اور بھاشا کے الفاظ بھی خوبصورتی کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ یہ اُن کی اُردو نظموں کے متعلق کہا جا رہا ہے۔ یہاں اُن کی ہندی نظموں سے جن میں بھاشا اور سنسکرت الفاظ کی بھرمار ہے بحث نہیں ہے۔ نظیر نے مناظر فطرت کو بھی خوب بیان کیا ہے اور موسمی کیفیتوں کے ساتھ انسانی دلچسپیوں کا جو تعلق ہے اُس کا نقشہ بہت اچھا کھینچا ہے۔ نظیر الفاظ کے ذریعہ سے بہت خوب تصویر کشی کرتے ہیں اور اُن کے کلام میں کثرت سے اچھی تصویریں نظر آتی ہیں۔ دُنیا اور حوادث دنیا کا جس قدر تجربہ نظیر کو ہوا ہے شاید کسی دوسرے اُردو شاعر کو نہیں ہوا ہوگا، اور اس سے جو سبق اُنھوں نے سیکھے اور جو عبرت حاصل کی اُس کا نہایت مؤثر بیان اُن کے کلام میں موجود ہے۔ اخلاق و تصوّف پر بھی جو نظمیں نظیر نے لکھی ہیں وہ نہ صرف اُن کے خلوص اور نیکی کو ظاہر کرتی ہیں بلکہ پڑھنے والوں کے دلوں میں بھی اُنھیں جذبات کو برانگیختہ کرتی ہیں۔

معائب نظیر کے کلام میں بعض عیوب بھی ہیں۔ سب سے نمایاں عیب تو اُن کی فحش پسندی اور ان کا ابتذال

ہے۔ جن نظموں میں عموماً فحش گوئی کا کوئی موقع نہیں ہوتا ہے وہاں بھی یہ اُس کا کوئی نہ کوئی پہلو پیدا کر ہی لیتے ہیں اور جہاں اُس کا موقع ہے وہاں کی تو نہ پوچھئے۔ اُن کے جنسی جذبات میں عموماً پستی اور بازاری پن ہے اور یہ غالباً پست طبقہ کے ساتھ آمیزش کا اثر ہے۔ اُن کا ایک دوسرا نمایاں عیب الفاظ کی تکرار اور مرادفات اور نامانوس الفاظ کی بھرمار ہے۔ اِن میں سے بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو خاص طبقوں میں مستعمل، خاص کام اور پیشہ کرنے والوں کی زبانوں پر چڑھے ہوئے، یا خاص اشغال مثلاً کبوتر بازی، کنکوے بازی وغیرہ کی اصطلاحیں ہیں اور اُن کی واقفیت اُن محدود حلقوں سے باہر بہت کم ہے۔ نظیر ایسے الفاظ پر پوری طرح حاوی ہیں اور اپنی نظموں میں اُنھیں اس قدر بے تکلفی اور بہتات کے ساتھ استعمال کیا ہے کہ نظموں کے بعض حصّے بالکل چیستان بن گئے ہیں۔ نظیر کا ایک اور عیب قواعد زبان سے بے اعتنائی اور اصول عروض سے بے نیازی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اُردو کے ابتدائی شعرا کے کلام میں بھی اس طرح کی لغزشیں نظر آتی ہیں مگر اوّل تو نظیر میں نسبتاً بہت زیادہ ہیں، دوسرے نظیر اُردو کے جس دور سے گذر رہے تھے اُس میں اُردو شاعری منج منجا کر کافی صاف ہو چکی تھی، اُس عہد میں ایسی بے احتیاطیاں قابل اعتراض ہیں۔ ایک اور عیب یہ بھی ہے کہ نظیر کی زبان پر جو گنواری الفاظ چڑھے ہوئے ہیں اُنھیں وہ بے تکلف اپنی بعض نظموں میں استعمال

کرتے ہیں۔ اِس سے اُن نظموں کی زبان بالکل غیر معیاری ہوگئی ہے۔

مرتبہ

جدّت واجتہاد کے اعتبار سے نظیرؔ اُردو میں بالکل بے نظیر ہیں، کوئی دوسرا شاعر اُن کی گرد کو بھی نہیں پہنچتا۔ اِن چند کمزوریوں کے باوجود جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، نظیرؔ بحیثیت مجموعی اُردو شعرا کی صفِ اوّل میں جگہ پانے کے مستحق ہیں، اور اُردو ادب کے محسنین میں اُن کی جگہ بہت ممتاز ہے۔

۱- موسم

۱- برسات کی بہاریں

ہیں اس ہوا میں کیا کیا برسات کی بہاریں — سبزوں کی لہلہاہٹ باغات کی بہاریں
بوندوں کی جھمجھماوٹ قطرات کی بہاریں — ہر بات کے تماشے ہر گھات کی بہاریں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بادل ہوا کے اوپر ہو مست چھا رہے ہیں — جھڑیوں کی مستیوں سے دھومیں مچا رہے ہیں
پڑتے ہیں پانی ہر جا جل تھل بنا رہے ہیں — گلزار بھیگتے ہیں سبزے نہا رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

مارے ہیں موج ڈابر دریا ڈونڈ رہے ہیں — مور و پپیہے کوئل کیا کیا رمنڈ رہے ہیں
جھڑ کر رہی ہیں جھڑیاں نالے اُمنڈ رہے ہیں — برسے ہے مینھ جھڑ جھڑ بادل گھمنڈ رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جنگل سب اپنے تن پر ہریالی سج رہے ہیں — گل پھول جھاڑ بوٹے کر اپنی دھج رہے ہیں
بجلی چمک رہی ہے بادل گرج رہے ہیں — اللہ کے نقارے نوبت سے بج رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بادل لگا ٹکوریں نوبت کی گت لگا دیں — جھینگر جھنگار اپنے سرنائیاں بجا دیں
کر شور مور بگلے جھڑیوں کا مینھ بلا دیں — پی پی کریں پپیہے مینڈک ملار گا دیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہر جا بچھا رہا ہے سبزہ ہرے بچھونے — قدرت کے بچھ رہے ہیں ہر جا ہرے بچھونے
جنگلوں میں ہو رہے ہیں پیدا ہرے بچھونے — بچھوا دیے ہیں حق نے کیا کیا ہرے بچھونے
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

سبزوں کی لہلہاہٹ کچھ ابر کی سیاہی — اور چھا رہی گھٹائیں سرخ اور سفید کاہی
سب بھیگتے ہیں گھر گھر لے ماہ تا بماہی — یہ رنگ کون رنگے تیرے سوا الٰہی
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کیا کیا رکھے ہے یا رب سامان تیری قدرت — بدلے ہے رنگ کیا کیا ہر آن تیری قدرت
سب مست ہو رہے ہیں پہچان تیری قدرت — تیتر پکارتے ہیں سبحان تیری قدرت
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئل کی کوک میں بھی تیرا ہی نام ہے گا — اور مور کی زٹل میں تیرا پیام ہے گا
یہ رنگ سو مزے کا جو صبح و شام ہے گا — یہ اور کا نہیں ہے تیرا ہی کام ہے گا
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

پھولوں کی سیج اوپر سوتے ہیں کتنے بن بن — سوہن گلابی جوڑے پھولوں کے ہار ابرن
کتنوں کے گھر ہے کھانا سونا لگے ہے آنگن — کونے میں پڑ رہی ہیں سر منھ لپیٹ سوگن
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بولیں بئے بٹیریں قمری پکارے کوکو — پی پی کرے پپیہا بگلے پکاریں تو تو
کیا ہُدہُدوں کی حق حق کیا فاختوں کی ہو ہو — سب رٹ رہے ہیں تجھ کو کیا پنکھ کیا پکھیرو
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو مست ہوں اُدھر کے کر شور ناچتے ہیں — پیارے کا نام لیکر کیا زور ناچتے ہیں
بادل ہوا سے گھر گھر گھنگھور ناچتے ہیں — مینڈک اُچھل رہے ہیں اور مور ناچتے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

اب برہنوں کے اوپر ہے سخت بیقراری — ہر بوند مارتی ہے سینے اوپر کٹاری
بدلی کی دیکھ صورت کہتی ہیں باری باری — ہے ہے نہ لی پیا نے اب کے بھی سُدھ ہماری
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جب کوئل اپنی اُن کو آواز ہے سُناتی — سُنتے ہی غم کے مارے چھاتی ہے اُمڈی آتی
پی پی کی دُھن کو سُن کر بیکل ہیں کہتی جاتی — مت بول اے پپیہے پھٹتی ہے میری چھاتی
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنوں نے اپنے غم سے اب ہے یہ گت بنائی — میلے کچیلے کپڑے آنکھیں بھی ڈبڈبائی
نے گھر میں جھولا ڈالا نے اوڑھنی رنگائی — چھوٹا پڑا ہے چولہا ٹوٹی پڑی کڑھائی
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بیٹھے ہیں کتنے خوش ہو اونچے چھوا کے بنگلے — پیتے ہیں مے کے پیالے اور دیکھتے ہیں جنگلے
کتنے پھرے ہیں باہر خوباں کو اپنے سنگ لے — سب شاد ہو رہے ہیں عمدہ غریب کنگلے
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنوں کو محلوں اندر ہے عیش کا نظارا　　یا سائباں ستھرا یا بانس کا اُسارا
کرتا ہے سیر کوئی کوٹھے کا لے سہارا　　مُفلس بھی کر رہا ہے پولے تلے گزارا
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

چھت گرنے کا کسی جا غُل شور ہو رہا ہے　　دیوار کا بھی دھڑکا کچھ ہوش کھو رہا ہے
ڈر ڈر حویلی والا ہر آن رو رہا ہے　　مفلس سو جھونپڑے میں دلشاد ہو رہا ہے
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

دقت سے ہو رہا ہے جن کا مکاں پُرانا　　اُٹھ کے ہے اُن کو مینھ میں ہر آن چھت پہ جانا
کوئی پکارتا ہے ٹک موری کھول آنا　　کوئی کہے ہے چل بھی کیوں ہو گیا دِوانا
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی پکارتا ہے لو یہ مکان ٹپکا　　گرتی ہے چھت کی مٹی اور سائبان ٹپکا
چھلنی ہوئی اٹاری کوٹھا ندان ٹپکا　　باقی تھا اِک اُسارا سو وہ بھی آن ٹپکا
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

سبزوں پہ بیر بہوٹی ٹیلوں اوپر دھتورے　　پسّو سے مچھڑوں سے روئے کوئی بسورے
بچھو کسی کو کاٹے کیڑا کسی کو گھورے　　آنگن میں کنسلائی کونوں میں کنکھجورے
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

پھُنسی کسی کے تن میں سر پر کسی کے پھوڑے　　چھاتی پہ گرمی دانے اور پیٹھ میں ددوڑے
کھاپوریاں کسی کو ہیں لگ رہے مروڑے　　آتے ہیں دست جیسے دوڑیں عراقی گھوڑے
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جس گلبدن کے تن میں پوشاک سوسنی ہے　　سو وہ پری تو خاصی کالی گھٹا بنی ہے
اور جس پہ سرخ جوڑا یا اودی اوڑھنی ہے　　اس پر تو سب گھلاوٹ برسات کی چھنی ہے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

پتلی جہاں کسی نے دال اور کڑھی پکائی　　مکھی نے وو ہیں بولی آ اونٹ کی بلائی
کوئی پکارتا ہے کیوں خیر تو ہے بھائی　　ایسے جو کھانستے ہو کیا کالی مرچ کھائی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بدنوں میں کھپ رہے ہیں خوبوں کے لال جوڑے　　جھمکیں دکھا رہے ہیں پریوں کے لال جوڑے
لہریں بنا رہے ہیں لڑکوں کے لال جوڑے　　آنکھوں میں چبھ رہے ہیں یاروں کے لال جوڑے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

اور جس صنم کے تن میں جوڑا ہے زعفرانی　　گلنار یا گلابی یا زرد سرخ دھانی
کچھ حسن کی چڑھائی اور کچھ نئی جوانی　　جھولوں میں جھولتی ہیں اوپر پڑے ہے پانی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی تو جھولنے میں جھولے کے ڈور چھوڑے　　یا ساتھیوں میں اپنے پالوں سے پالو جوڑے
بادل کھڑے ہیں سر پر برسے ہیں تھوڑے تھوڑے　　بوندوں سے بھیگتے ہیں لال اور گلابی جوڑے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہیں جن کے تن ملائم میدے کی جیسے لوئی　　وہ اس ہوا میں خاصی اوڑھے پھرے ہیں لوئی
اور جن کی مفلسی نے شرم و حیا ہے کھوئی　　ہے ان کے سر پہ سرکی یا بوریے کی کھوئی

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنے پھرے ہیں اوڑھے پانی میں سُرخ پتو — جو دیکھ سُرخ بدلی ہوتی ہے اُن پہ لٹو
کتنوں کی گاڑی رتھ ہیں کتنوں کے گھوڑے ٹٹو — جس پاس کچھ نہیں ہے وہ ہم سا ہے نکھٹو
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو اس ہوا میں یارو دولت میں کچھ بڑے ہیں — ہے اُن کے سر پہ چھتری ہاتھی اوپر چڑھے ہیں
ہم سے غریب غربا کیچڑ میں گر پڑے ہیں — ہاتھوں میں جوتیاں ہیں اور پائنچے چڑھے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

ہے جن کنے مہیا پکا پکایا کھانا — اُن کو پلنگ پہ بیٹھے جھڑیوں کا حظ اُڑانا
ہے جن کو اپنے گھر کا یا نون تیل لانا — ہے سر پہ اُن کے پنکھا یا چھاج ہے پُرانا
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنے خوشی سے بیٹھے کھاتے ہیں خوش محل میں — کتنے چلے ہیں لینے بنیے سے قرض پل میں
کاندھے پہ دال آٹا ہلدی گرہ کی بل میں — ہاتھوں میں گھی کی پیالی اور لکڑیاں بغل میں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کیچڑ سے ہو رہی ہے جس جا زمیں پھسلنی — مشکل ہوئی ہے واں سے ہر اک کو راہ چلنی
پھسلا جو پاؤں پگڑی مشکل ہے پھر سنبھلنی — جوتی گری تو واں سے کیا تاب پھر نکلنی
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنے تو کیچڑوں کی دلدل میں پھنس رہے ہیں — کپڑے تمام گندے دلدل میں بس رہے ہیں
کتنے اُٹھے ہیں مر مر کتنے اکس رہے ہیں — وہ دُکھ میں پھنس رہے ہیں اور لوگ ہنس رہے ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کہتا ہے کوئی گر کر یہ اے خدا اے لیجو — کوئی ڈگمگا کے ہر دم کہتا ہے وائے لیجو
کوئی ہاتھ اُٹھا پکارے مجھ کو بھی ہائے لیجو — کوئی شور کر پکارے گرنے نہ پائے لیجو
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

گر کر کسی کے کپڑے دلدل میں ہیں معطر — پھسلا کوئی کسی کا کیچڑ میں مُنھ گیا بھر
اک دو نہیں پھسلتے کچھ اس میں آہن اکثر — ہوتے ہیں سیکڑوں کے سر نیچے پانوں اوپر
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

یہ رُت وہ ہے کہ جس میں خُرد و کبیر خوش ہیں — ادنیٰ غریب مفلس شاہ و وزیر خوش ہیں
معشوق شاد و خرم عاشق اسیر خوش ہیں — جتنے ہیں اب جہاں میں سب اے نظیر خوش ہیں
کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

۲- برسات کا بیان

برسات کا جہان میں لشکر پھسل پڑا — بادل بھی ہر طرف سے ہوا پر پھسل پڑا
جھڑیوں کا مینھ بھی آ کے سراسر پھسل پڑا — چھتا کسی کا شور مچا کر پھسل پڑا
کوٹھا جھکا اٹاری گری در پھسل پڑا

جن کے نئے نئے تھے مکان اور محل سرا — اُن کی چھتیں ٹپکتی ہیں چھلنی ہو جا بجا
دیواریں بیٹھتی ہیں چھتوں کا ہے غُل مچا — لاٹھی کو ٹیک کر جو ستوں ہے کھڑا تو کیا
چھجا گرا منڈیری کا پتھر پھسل پڑا

جھڑیوں نے اس طرح کا دیا آ کے جھڑ لگا ‌ سُنیئے جدھر اُدھر ہے دھڑاکے ہی کی صدا
کوئی پکارے ہے مرا دروازہ گر چلا ‌ کوئی کہے ہے ہائے کہوں تم سے اب میں کیا
تم در کو جھیکتے ہو مرا گھر پھسل پڑا

باراں جب آ کے پختہ مکاں کے تئیں ہلائے ‌ کچّا مکاں پھر اُس کی بھلا کیونکہ تاب لائے
ہر جھونپڑے میں شور ہے ہر گھر میں ہائے ہائے ‌ کہتے ہیں یارو دوڑیو جلدی سے وائے وائے
پاکھے چھپیت سو گئے چھپّر پھسل پڑا

یاں تک ہر اک مکاں کے پھسلنے کی ہے زمیں ‌ نکلے جو گھر سے اُس کو پھسلنے کا ہے یقیں
مفلس غریب پر ہی یہ موقوف کچھ نہیں ‌ کیا فیل کا سوار ہے کیا پالکی نشیں
آیا جو اس زمیں کے اوپر پھسل پڑا

دیکھو جدھر اُدھر کو یہی غُل پکارے ہے ‌ کوئی پھنسا ہے اور کوئی کیچڑ میں خوار ہے
پیادہ اُٹھا جو مر کے تو جھپڑا سوار ہے ‌ گرنے کی دھوم دھام یہ کچھ بے شمار ہے
جو ہاتھی رپٹا اونٹ گرا خر پھسل پڑا

کوچے میں کوئی اور کوئی بازار میں گرا ‌ کوئی گلی میں گر کے ہے کیچڑ میں لوٹتا
رستے کے بیچ پالوں کسی کا رپٹ گیا ‌ اُس سب جگہ کے گرنے سے آیا جو بچ بچا
وہ اپنے گھر کے صحن میں آ کر پھسل پڑا

کیچڑ سے ہر مکاں سے تو بچتا بہت پھرا ‌ پر جب دکھائی دی کھُلے بالوں کی اک گھٹا
بجلی بھی چمکی حُسن کی مینھ برسا ناز کا ‌ پھسلن جب ایسی آئی تو پھر کچھ نہ بس چلا
آخر وہاں نظیرؔ بھی آ کر پھسل پڑا

۳۔ اُومس

کیا ابر کی گرمی میں گھڑی پہر ہے اومس گرمی کے بڑھانے کی عجب لہر ہے اومس
پانی سے پسینوں کی بڑی نہر ہے اومس ہر باغ میں ہر دشت میں ہر شہر ہے اومس
برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اومس

کہتے تو اس اومس کے تئیں کہتے ہیں گرماؤ یعنی کہ گھرا ابر ہو اور آکے رُکے باؤ
اُس وقت تو پڑتا ہے غضب جان میں گھبراؤ دل سینے میں بیکل ہو یہی کہتا ہے کھا تاؤ
برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اومس

بدلی کے جو گھر آنے سے ہوتی ہے ہوا بند پھر بند سی گرمی وہ غضب پڑتی ہے یک چند
پھینکے کوئی پگڑی کوئی کھولے ہے کمر بند دم رُک کے گھٹا جاتا ہے گرمی سے ہر اک بند
برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اومس

ایدھر تو پسینوں سے پڑی بھیگے ہیں کھاٹیں گرمی سے اودھر میل کی کچھ چیونٹیاں کاٹیں
کپڑا جو پہنیے تو پسینے اُسے آٹیں ننگا جو بدن رکھیے تو پھر مکھیاں چاٹیں
برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اومس

رُکنے سے ہوا کے جو بُرا ہوتا ہے احوال — پنکھا کوئی آنچل کوئی دامن کوئی رومال
دم گھٹنے لگتا ہے اُبھاروں کی گویا کھال — کچھ روح کو بیتا بیاں کچھ جان کو جنجال

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اومس

گھبرا کے کبھی آتا ہے دم جاتا ہے بھولا — آرام جو دل کا ہے سبھی جاتا ہے بھولا
آتا ہے کبھی ہوش کبھی جاتا ہے بھولا — کپڑے بھی بُرے لگتے ہیں جی جاتا ہے بھولا

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اومس

ہوتی ہے اومس جو کبھی اک رات کو آکر — کر ڈالتی ہے پھر تو قیامت ہی مقرر
ایدھر تو ہوا بند اودھر پسّو و مچھر — پانی کوئی پیوے تو ادھن سے بھی وہ بدتر

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اومس

جس وقت ہوا بند ہو اور آکے گھٹا چھائے — پھر کیجئے دل اُس گرمی میں کس طرح نہ گھبرائے
اوڑھو تو پسینا جو نہ اوڑھو تو غضب آئے — پسّو کبھی مچھّر کبھی کھٹمل ہی لپٹ جائے

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اومس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اومس

گر اس میں ہوا کھل گئی اور پانی بھی لائی — تو جی میں جی اور جان میں کچھ جان سی آئی
اور اس میں جو پھر ہو گئی اومس کی چڑھائی — تو پھر وہی رونا وہی غل شور دہائی

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اوس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اوس

اوس میں تو لازم ہے نہ پنکھا نہ ہوا ہو
اک کوٹھری ہو جس میں دھواں آکے بھرا ہو
اور مکھیوں کے واسطے گرد تن سے ملا ہو
اُس وقت مزا دیکھئے اوس کا کہ کیا ہو

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اوس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اوس

اِس رُت میں تو واللہ عجب عیش ہے دلخواہ
مینھ برسے ہے اور سرد ہوا آتی ہے ہرگاہ
جنگل بھی ہرے گُل بھی کھِلے سبز چراگاہ
اوس ہی مگر دل کو ستاتی ہے نظیر آہ

برسات کے موسم میں نپٹ زہر ہے اوس
سب چیز تو اچھی ہے پر اک قہر ہے اوس

۴۔ موسمِ زمستان

جب ماہ اگھن کا ڈھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
اور ہنس ہنس پوس سنبھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
دن جلدی جلدی چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
پالا بھی برف پگھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
چلا خم ٹھونک اُچھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

دل ٹھوکر مار پچھاڑا ہو اور دل سے ہوتی کشتی سی
تھر تھر کا زور اکھاڑا ہو بجتی ہو سب کی بتّیسی
ہو شور پھپھو ہو ہو کا اور دھوم ہو سی سی سی سی کی
کلّہ پہ کلّہ لگ کر چلتی ہو منھ میں چکّی سی
ہر دانت چنے سے دلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہر ایک مکاں میں سردی نے آ باندھ دیا ہو یہ چکّر
جو ہر دم کپ کپ ہوتی ہو ہر آن کڑاکڑ اور تھر تھر
بیٹھی ہو سردی رگ رگ میں اور برف پگھلتا ہو پتّھر
جھڑ باندھ مہاوٹ پڑتی ہو اور اس پر لہریں لے کر
سنّاٹا باؤ کا چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ہر چار طرف سے سردی ہو اور صحن کھلا ہو کوٹھے کا
اور تن میں نیمہ شبنم کا ہو جس میں خس کا عطر لگا
چھڑکاؤ ہوا ہو پانی کا اور خوب پلنگ بھی ہو بھیگا
ہاتھوں میں پیالہ شربت کا ہو آگے ہو فرّاش کھڑا
فرّاش بھی پنکھا جھلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

ترکیب بنی ہو مجلس کی اور کافر ناچنے والے ہوں
منھ اُن کے چاند کے ٹکڑے ہوں تن اُن کے روئی کے گالے ہوں

پوشاکیں نازک رنگوں کی اور اوڑھے شال دوشالے ہوں
کچھ ناچ اور رنگ کی دھومیں ۔۔ کچھ عیش میں ہم متوالے ہوں
پیالہ پر پیالہ چلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی
ہر ایک مکاں ہو خلوت کا اور عیش کی سب تیاری ہو
وہ جان کہ جس سے جی غش ہو سو ناز سے آ جھنکاری ہو
دل دیکھ نظیرؔ اُس کی چھپ کو ہر آن ادا پر واری ہو
سب عیش مہیّا ہو آ کر جس جس ارماں کی باری ہو
جب سب ارمان نکلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

۲- تہوار

۱- عید

ہے دھوم آج مدرسہ و خانقاہ میں — تانتے بندھے ہیں مسجد جامع کی راہ میں
گلشن سے کھل رہے ہیں ہر اک کج کلاہ میں — سو سو چمن جھمکتے ہیں اِک اِک نگاہ میں
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

جھمکا ہے ہر طرف کو جو یاں بادلہ زری — پوشاک میں جھمکتے ہیں سب تن زری زری
گلرو چمکتے پھرتے ہیں جوں ماہ و مشتری — ہے سب کی عید عید کی دل میں خوشی بھری
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

آتے ہیں گھر سے اپنے جو بن بن کے کج کلاہ — صحن چمن ہے جتنی ہے سب صحن عید گاہ
چھاتی سے لپٹے جاتے ہیں ہنس ہنس کے خواہ مخواہ — دل باغ سب کے ہوتے ہیں فرحت سے واہ واہ
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

کچھ بھیڑ سی ہے بھیڑ کہ بے حد و بے شمار — خلقت کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ ہیں بندھے ہر طرف ہزار
ہاتھی و گھوڑے بیل رتھ و اونٹ کی قطار — غل شور باجے بھوپے کھلونوں کی ہے پکار
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

ہیں ملتے ملتے تن جو پسینوں میں تر بتر — ملنے کے ڈر سے پھرتے ہیں چھپتے اِدھر اُدھر
چھپتے پھرے ہیں لوگ بھی جاتے ہیں وہ جدھر — ٹھٹھا ہنسی و سیر تماشے جدھر تدھر
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عید گاہ میں

ہیں کرتے وصل شہر کے سب خُرد اور کبیر
ادنیٰ غریب امیر سے لے شاہ تا وزیر
ہر دم گلے لپٹ کے مرے یار دلپذیر
ہنس ہنس کے مجھ سے کہتا ہے یوں کیوں میاں نظیرؔ
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عیدگاہ میں

---

۲ - دِوالی

ہر اک مکاں میں جلا پھر دیا دوالی کا
ہر اک طرف کو اُجالا ہوا دوالی کا
سبھی کے دل میں سماں بھا گیا دوالی کا
کسی کے دل کو مزا خوش لگا دوالی کا
عجب بہار کا ہے دن بنا دوالی کا

جہاں میں یارو عجب طرح کا ہے یہ تیوہار
کسی نے نقد لیا اور کوئی کرے ہے اُدھار
کھلونے کھیلوں بتاشوں کا گرم ہے بازار
ہر اک دُکاں میں چراغوں کی ہو رہی ہے بہار
سبھوں کو فکر ہے اب جا بجا دوالی کا

مٹھائیوں کی دُکانیں لگا کے حلوائی
پکارتے ہیں کہ لالہ دوالی ہے آئی
بتاشے لے کوئی، برفی کسی نے تُلوائی
کھلونے والوں کی اِن سے زیادہ بن آئی
گویا انھوں کے واں راج آگیا دوالی کا

صرف حرام کی کوڑی کا جن کا ہے بیوپار
انھوں نے کھایا ہے اُس دن کیواسطے ہی اُدھار
کہے ہے ہنس کے قرض خواہ سے ہر اک اِک بار
دوالی آئی ہے سب دے دلائیں گے اے یار
خدا کے فضل سے ہے آسرا دوالی کا

مکان لیپ کے ٹھلیا جو کوری رکھوائی
جلا چراغ کو کوڑی وہ جلد جھنکائی
اصل جواری تھے اُن میں تو جان سی آئی
خوشی سے کود اچھل کر پکارے او بھائی
شگون پہلے کرو تم ذرا دوالی کا

شگن کی بازی لگی پہلے یار گنڈے کی
پھر اُس سے بڑھ کے لگی تین چار گنڈے کی
پھری جو ایسی طرح بار بار گنڈے کی
تو آگے لگنے لگی پھر ہزار گنڈے کی
کمال نرخ ہے پھر تو لگا دوالی کا

کسی نے گھر کی حویلی گرو رکھا ہاری
جو کچھ تھی جنس میسر بنا بنا ہاری
کسی نے چیز کسی کی چرا چھپا ہاری
کسی نے گٹھری پڑوسن کی اپنی لا ہاری
یہ ہار جیت کا چرچا پڑا دوالی کا

کسی کو داؤ پہ لا نکی موٹھ نے مارا
کسی کے گھر پہ دھرا سوختہ نے انگارا
کسی کو نرد نے چوپڑ کے کر دیا نارا
لنگوٹی باندھ کے بیٹھا ازار تک ہارا
یہ شور آکے مچا جا بجا دوالی کا

جہاں میں یہ جو دوالی کی سیر ہوتی ہے
تو زر سے ہوتی ہے اور زر بغیر ہوتی ہے
جو ہارے اُن پہ خرابی کی فیر ہوتی ہے
اور اُن میں آن کے جن جن کے خیر ہوتی ہے
تو آڑے آتا ہے اُن کے دیا دوالی کا

یہ باتیں سچ ہیں نہ جھوٹ اُن کو جانیو یارو
نصیحتیں ہیں انھیں دل سے مانیو یارو
جہاں کو جاؤ یہ قصہ بکھانیو یارو
جو جواری ہو نہ بُرا اُس کا مانیو یارو
نظیر آپ بھی ہے جواریا دوالی کا

۳۔ شب برات

کیونکر کرے نہ اپنی نموداری شب برات،
چلپک چپاتی حلوے سے ہے بھاری شب برات
زندوں کی ہے زباں کی مزیداری شب برات
مُردوں کی روح کی ہے مددگاری شب برات
لگتی ہے سب کے دل کو غرض پیاری شب برات

شکر کا جن کے حلوا ہوا وہ تو پورے ہیں
گُڑ کا ہوا ہے جن کے وہ اُن سے ادھورے ہیں
شکر نہ گُڑ کا جن کے وہ پرکٹ لنڈورے ہیں
اوروں کے بیٹھے حلوے چپاتی کو گھورے ہیں
اُن کی نہ آدھی پاؤ نہ کچھ ساری شب برات،

دنیا کی دولتوں میں جو زردار ہیں بڑے
قندوں کے حلوے روغنی نانیں نیئے گھڑے
پہنچانے خوان پھرتے ہیں نوکر کئی پڑے
زندے بھی راہ تکتے ہیں مُردے بھی ہیں کھڑے
اِن خوبیوں کی رکھتی ہے تیاری شب برات

ٹھلیاں چپاتی حلوے کی تو سب میں چال ہے
ادنیٰ غریب شخص تئیں یہ بھی محال ہے
کالے سے گڑ کی لپٹی کڑھی کی مثال ہے
پانی کی ہانڈی گیہوں کی روٹی بھی لال ہے
کرتی ہے ایسی دُکھیا بیسہاری شب برات

اور مُفلسوں کی ہے یہ تمنّا کی فاتحہ
دریا پہ جا کے دیتے ہیں بابا کی فاتحہ
بھٹیاری کے تنور پہ نانا کی فاتحہ
حلوائی کی دُکان پہ دادا کی فاتحہ
یاں تک تو اُن پہ لاتی ہے ناچاری شب برات

وارث ہیں جن کے جیتے وہ مُردے بھی آن کر
حلوے چپاتی خوب ہی چکھتے ہیں پیٹ بھر
جن کا کوئی نہیں ہے وہ پھرتے ہیں دربدر
اوروں کے تکتے پھرتے ہیں کونوں سے گھر بہ گھر
اُن کی ہے کھاری نون سے بھی کھاری شب برات

مُلّا جو دینے فاتحہ گھر گھر میں جاتے ہیں
حلوا کہیں کہیں وہ چپاتی اُڑاتے ہیں

مُفلس کوئی بلاوے تو مُنھ کو چھپاتے ہیں
شکر کا حلوا سنتے ہی بس دوڑے جاتے ہیں
کہتے ہوئے یہ دل میں اہاہاری شب برات

جوڑے ہے لٹو تو بڑے ہر دم بنا کے جو
حاکم کا پیادہ کہتا ہے یوں اُس سے تلخ ہو
کپڑے بدن بچا کے جو چاہو سو چھوڑ دو
چھپّر جلاؤگے تو دلاوے گی صبح کو
تم سے چبوترے میں گنہگاری شب برات

گھنچکر اپنے دم میں کہیں چرخ کھاتے ہیں
ٹوٹے ہوائی سنگ کہیں اُڑ اُڑ کے آتے ہیں
زپٹ زپٹ پٹاخے کہیں غُل مچاتے ہیں
لڑکوں کے باندھ غول کہیں لڑنے جاتے ہیں
کرتے ہیں پھر تو ایسی دھواں دھاری شب برات

آگر کسی کے سر پہ چھچھوندر لگی کڑی
اوپر سے اور ہوائی کی آکر پڑی چھڑی
ہو گی گلے کا ہار پٹاخے کی ہر لڑی
پانوں سے لپٹے شور مچا کر قلم تڑی
کرتی ہے پھر تو ایسی ستمگاری شب برات

چہرہ کسی کا جل گیا آنکھیں جھلس گئیں
چھاتی کسی کی جل گئی باہیں جھلس گئیں
ٹانگیں بچیں کسی کی تو رانیں جھلس گئیں
مونچھیں کسی کی پھک گئیں پلکیں جھلس گئیں
رکھے کسی کی داڑھی پہ چنگاری شب برات

کوئی دوستوں کو دل میں سمجھتا ہے اپنے غیر
کوئی دشمنوں سے دل کا نکالے ہے اپنے بیر
کہتا ہے واں نظیر بھی آتش کی دیکھ سیر
یارب تو سب کی کیجیو برسا برس کی خیر
بے طرح کر رہی ہے نموداری شب برات

۴۔ ہولی

آ جھمکے عیش و طرب کیا کیا جب حُسن دکھایا ہولی نے
ہر آن خوشی کی دھوم ہوئی یوں لُطف جتایا ہولی نے
ہر خاطر کو خورسند کیا ہر دل کو لُبھایا ہولی نے
دفِ رنگیں نقش سنہری کا جس وقت بجایا ہولی نے
بازار گلی اور کوچوں میں غل شور مچایا ہولی نے

کچھ طبلے کھٹکے تال بجے کچھ ڈھولک اور مردنگ بجی
کچھ جھڑ بین ربابوں کی، کچھ سارنگی اور چنگ بجی
کچھ تار طنبوروں کے جھنکے کچھ ڈھمڈھی اور مُنہ چنگ بجی
کچھ گھنگرو کھٹکے جھم جھم جھم کچھ گت گت پر آہنگ بجی
ہے ہر دم ناچنے گانے کا یہ تار بندھایا ہولی نے

ہر جاگہ تھال گلالوں سے خوش رنگت کی گلکاری ہے
اور ڈھیر عبیروں کے لاگے سو عشرت کی تیاری ہے
ہیں راگ بہاریں دکھلاتے اور رنگ بھری پچکاری ہے
مُنہ سُرخی سے گلنار ہوئے تن کیسر کی سی کیاری ہے
یہ روپ جھمکتا دکھلایا یہ رنگ دکھایا ہولی نے

پوشاکیں چھڑکی رنگوں کی اور ہر دم رنگ فشانی ہے
ہر وقت خوشی کی جھمکیں ہیں پچکاری کی رخشانی ہے
کہیں ہوتی ہے دھینگا مُشتی کہیں ٹھیری کھینچا تانی ہے
کہیں لٹیاں جھمکیں رنگ بھری کہیں جوتا کیچڑ پانی ہے
ہر چار طرف خوش حالی کا یہ جوش بڑھایا ہولی نے

ہر آن خوشی سے آپس میں سب ہنس ہنس رنگ چھڑکتے ہیں
رخسار گلالوں سے گلگوں کپڑوں سے رنگ ٹپکتے ہیں

کچھ راگ، اور رنگ جھمکتے ہیں کچھ مے کے جام چھلکتے ہیں
کچھ کودیں ہیں کچھ اُچھلیں ہیں کچھ ہنستے ہیں کچھ بکتے ہیں
یہ طور یہ نقشہ عشرت کا ہر آن بنایا ہولی نے
ہیں کیا کیا سر میں رنگ بھرے اور سوانگ بھی کیا کیا آتے ہیں
کر باتیں ہر دم چہل بھری خوش ہنستے اور ہنساتے ہیں
کچھ جوگی چیلے بیٹھے ہیں کچھ کامینوں کے گاتے ہیں
کچھ اور طرح کے سوانگ بنیں کچھ ناچتے اور کچھ گاتے ہیں
ہر آن نظیرؔ اس فرحت کا سامان دکھایا ہولی نے

۳۔ مشاہدہ

۱۔ آگرہ کی تیراکی

جب پیرنے کی رُت میں دلدار پیرتے ہیں　　عاشق بھی ساتھ اُن کے غمخوار پیرتے ہیں
بھولے سیانے ناداں ہشیار پیرتے ہیں　　پیر و جوان لڑکے عیار پیرتے ہیں

ادنیٰ غریب و مفلس زردار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

جھرنے سے لے کے یارو سجا کا تا پیالا　　چھتری سے برج خونی دارا کا چونترا کیا
مہتاب باغ سید تیلی قلعہ و روضا　　غل شور کی بہاریں انبوہ سیر دریا

ہر ایک مکاں میں ہو کر ہشیار پیرتے ہیں
اِس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

باغ حکیم اور جو شیو داس کا چمن ہے　　اُن میں جگہ جگہ پر مجلس ہے انجمن ہے
میوہ مٹھائی کھانے اور ناچ دل لگن ہے　　کچھ پیرنے کی دھومیں کچھ عیش کا چلن ہے

عشرت میں مست ہو کر ہر بار پیرتے ہیں
اِس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

برسات میں جو آ کر چڑھتا ہے خوب دریا　　ہر جا کھڑی و چادر بند اور ناند چکوا
مینڈا بھنور اچھالن چکر سمیٹ مالا　　مینڈا گھمیر تختہ کستی پچھاڑ کرا

واں بھی ہنر سے اپنے ہشیار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

تربینی میں اہاہا ہوتی ہیں کیا بہاریں   خلقت کے ٹھٹھ ہزاروں پیراک کی قطاریں
پیریں نہاویں اچھلیں کودیں لڑیں پکاریں   لے لے وہ چھینٹ غوطے کھا کھا کے ہاتھ ماریں
کیا کیا تماشے کر کر اظہار پیرتے ہیں
اِس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

جمنا کا پاٹ گویا صحن چمن ہے بارے   پیراک اُس میں پیریں جیسے کہ چاند تارے
منہ چاند کے سے ٹکڑے تن گورے پیارے پیارے   پریوں سے بھر رہے ہیں منجدھار اور کنارے
کچھ وار پیرتے ہیں کچھ پار پیرتے ہیں
اِس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

کتنے کھڑے ہیں پیریں اپنا دکھا کے سینا   سینہ چمک رہا ہے ہیرے کا جوں نگینا
آدھے بدن پہ پانی آدھے پہ ہے پسینا   سردوں کا بہ چلا ہے گویا کہ اِک قرینا
دامن کمر پہ باندھے دستار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

جاتے ہیں اُن میں کتنے پانی پہ صاف سوتے   کتنوں کے ہاتھ پنجرے کتنوں کے سر پہ طوطے
کتنے پتنگ اُڑاتے کتنے سوئی پروتے   حقّوں کا دم لگاتے ہنس ہنس کے شاد ہوتے
سو سو طرح کا کر کر بستار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

کچھ ناچ کی بہاریں پانی کے کچھ لتاڑے   دریا میں مچ رہے ہیں اندر کے سو اکھاڑے
لبریز گلرخوں سے دونوں طرف کنارے   بجرے و ناؤ چھوٹے ڈونگے بنے نواڑے
ان جھمگٹوں سے ہو کر سرشار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

ناؤ میں وہ جو گلرو ناچوں میں چھک رہے ہیں   جوڑے بدن میں رنگیں گہنے بھبک رہے ہیں
تانیں ہوا میں اڑتیں طبلے کھڑک رہے ہیں   عیش و طرب کی دھومیں پانی چھپک رہے ہیں
سو ٹھاٹھ کے بنا کر اطوار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

ہر آن بولتے ہیں سید کبیر کی جے   پھر اس کے بعد اپنے استاد پیر کی جے
مور و مکٹ کنھیا جمنا کے ہیر کی جے   پھر غول کے سب اپنے خورد و کبیر کی جے
ہر دم یہ کر خوشی کی گفتار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

کیا کیا نظیر یاں کے ہیں پیرنے کے بانی   ہے جن کے پیرنے کی ملکوں میں آن مانی
استاد اور خلیفہ شاگرد و یار جانی   سب خوش رہیں ہے جب تک جمنا کے بیچ پانی
کیا کیا ہنسی خوشی سے ہر بار پیرتے ہیں
اس آگرے میں کیا کیا اے یار پیرتے ہیں

۲- شہر اکبر آباد

شہرِ سخن میں اب جو ملا ہے مجھے مکاں　　کیونکر نہ اپنے شہر کی خوبی کروں بیاں
دیکھی ہیں آگرے میں بہت ہم نے خوبیاں　　ہر وقت اس میں شاد رہے ہیں جہاں تہاں
رکھیو الٰہی اس کو تو آباد جاوداں

ہر صبح اِس کی رکھتی ہے وہ نور گستری　　شرمندہ جس کو دیکھ کے ہو عارضِ پری
ہر شام بھی وہ مشک ملاحت سے ہے بھری　　لیلیٰ کی جعد کر نہ سکے جس کی ہمسری
دن روئے مہر طلعت و شب زلف مہوشاں

باغات پُر بہار عمارات پُر نگار　　بازار وہ کہ جس پہ چمن دل سے ہو نثار
محبوب دلفریب گل اندام و گلعذار　　گُلبن کہیں ہیں آپ کو گلزار پُر بہار
کوچے کہیں ہیں اپنے تئیں صحن گلستاں

آب و ہوا کے لُطف کوئی کیا کیا اب کہے　　دیکھو جدھر اُدھر گل عشرت ہیں کھل رہے
ایدھر کو قہقہے ہیں تو اودھر کو چہچہے　　اشجار باغ و شہر وہ سرسبز لہلہے
سبزوں کو جن کے دیکھ کے حیراں ہو آسماں

ہر فصل میں وہ ہوتے ہیں پاکیزہ میوہ جات　　دیکھے تو پھر نبات سے کچھ آوے بن نہ بات
شہد اُن پہ آٹھ پہر لگائے رہے ہے گھات　　قند و شکر بھی دل سے فدا ہوں دن اور رات
رہتے ہیں اُن کے وصف میں ہر دم شکر فشاں

نہر چمن کو دیکھو تو جیسے چمن کی نہر　　لاکھوں بہاریں رکھتی ہے ایک ایک جسکی لہر

کوئی نہاوے اور کوئی منہ دھووے شاد بہر   اُس پر ہجوم رکھتے ہیں یوں ساکنان شہر
شمشاد و سرو ہوتے ہیں جوں نہر پر عیاں

گریاں کے پیرنے کا کروں وصف میں رقم   تو بحر صفحہ بیچ لگے پیرنے قلم
پیرے ہیں اس روش کی بہاروں سے ہو بہم   سو سو چمن بھرے ہوئے شبنم کے دمبدم
آجاتے ہیں نظر وہیں دریا کے درمیاں

اہلِ شنا جو کرتے ہیں سو سو طرح شنا   لہریں نشاط و عیش کی اُٹھتی ہیں دل میں آ
ملتا نہیں کنار کچھ عشرت کے بحر کا   ساحل پہ جوش خلق سے ملتی نہیں ہے جا
ہوتا ہے وہ ہجوم بھی اک بحر بیکراں

یارو عجب طرح کا یہ دلچسپ ہے مقام   ہوتے ہیں ایسے کتنے ہی خوبی کے اژدحام
ہر طور دل رہے ہے خوش اور طبع شاد کام   میری نظیرؔ دل سے یہی ہے دعا مدام
ہنستا رہے یہ شہر بصد امن اور اماں

۳۔ تاج گنج کا روضہ

یارو جو تاج گنج یہاں آشکار ہے   مشہور اُس کا نام بہ شہر و دیار ہے
خوبی میں سب طرح کا اُسے اعتبار ہے   روضہ جو اُس مکاں میں دریا کنار ہے
نقشہ میں اپنے یہ بھی عجب خوش نگار ہے

بر روئے زمیں پہ یوں تو مکاں خوب ہیں میاں   پر اس مکاں کی خوبیاں کیا کیا کروں بیاں

سنگ سفید سے جو بنا ہے قمر نشاں   ایسا چمک رہا ہے تجلّی سے یہ مکاں
جس سے بلور کی بھی چمک شرمسار ہے

گنبد ہے اُس کا زور بلندی سے بہرہ مند   گرد اُس کے گمزیاں بھی چمکتی ہوئی ہیں چند
اور وہ کلس جو ہے سر گنبد سے سر بلند   ایسا ہلال اُس میں سُنہرا ہے دلپسند
ہر ماہ جس کے خم پہ مہِ نَو نثار ہے

گنبد کے نیچے اور مکاں ہیں جو آس پاس   وہ بھی برنگ سیم چمکتے ہیں خوش اساس
برسوں تک اُسمیں رہیئے تو ہووے نہ جی اُداس   آتی ہے ہر طرف سے گل یاسمن کی باس
ہوتا ہے شاد اُس میں جو کرتا گذار ہے

ہیں بیچ میں مکاں کے وہ دو مرقدیں جو یاں   گرد اُن کے جالی اور مُحجّر ہے دُر فشاں
سنگین گل جو اُس میں بنائے ہیں تہ نشاں   پتّی کلی سہاگ رگ و رنگ ہے عیاں
جو نقش اُس میں ہے وہ جواہر نگار ہے

دیواروں پر ہیں سنگ میں نازک عجب نگار   آئینے بھی لگے ہیں مجلّی ہو تا بدار
دروازے پر لکھا خط طغرا ہے طرفہ کار   ہر گوشے پر کھڑے ہیں جو مینار اُس کے چار
چاروں سے طرفہ اوج کی خوبی دوچار ہے

پہلو میں ایک برج لبی کہتے ہیں اُسے   آتے نظر ہیں اُس سے مکاں دور دور کے
مسجد ہے ایسی جسکی صفت کس سے ہو سکے   پھر اور بھی مکاں ہیں اِدھر اور اُدھر کھڑے
دروازۂ کلاں بھی بلند و استوار ہے

جو صحن باغ کا ہے وہ ہے ایسا دلکشا   آتی ہے جس میں گلشن فردوس کی ہوا

ہر سو نسیم چلتی ہے اور ہر طرف ہوا
ہلتی ہیں ڈالیاں سبھی ہر گل ہے جھومتا
کیا کیا روش پہ ہجوم بہار ہے
سرو سہی کھڑے ہیں قرینے سے لسترن
کو کو کرے ہیں قمریاں ہو کر شکر شکن
رابیل سیوتی سے بھرے ہیں چمن چمن
گلنار لالہ و گل و نسرین و نسترن
فوارے چھٹ رہے ہیں رواں جوئبار ہے
وہ تاجدار شاہِ جہاں صاحبِ سریر
بنوایا ہے انھوں نے لگا سیم و زر کثیر
جو دیکھتا ہے اس کے یہ ہوتا ہے دلپذیر
تعریف اس مکاں کی میں کیا کیا کروں نظیر
اس کی صفت تو مشتہر روزگار ہے

۴۔ طفلی

کیا دن تھے یار وہ بھی تھے جب کہ بھولے بھالے
نکلے تھی دائی لے کر پھرتی کبھی دوا لے
چوٹی کوئی رکھالے بدّھی کوئی پنھا لے
ہنسلی گلے میں ڈالے منّت کوئی بڑھالے
موٹے ہوں یا کہ دُبلے گورے ہوں یا کہ کالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے
دل میں کسی کے ہرگز نے شرم نے حیا ہے
آگا بھی کھل رہا ہے پیچھا بھی کھل رہا ہے

پہنے پھرے تو کیا ہے ننگے پھرے تو کیا ہے
یاں یوں بھی واہ وا ہے اور وُوں بھی واہ وا ہے
کچھ کھالے اِس طرح سے کچھ اس طرح سے کھالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

مرجاوے کوئی تو بھی کچھ اُن کا غم نہ کرنا
نے جانے کچھ بگڑنا نے جانے کچھ سنورنا
اُن کی بلا سے گھر میں ہو قید یا کہ گھرنا
جس بات پر یہ مچلے پھر وہ ہی کر گزرنا
ماں اوڑھنی کو بابا پگڑی کو بیچ ڈالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

جو کوئی چیز دیوے نِت ہاتھ اوڑتے ہیں
گڑ بیر مولی گاجر لے مُنھ میں گھونٹتے ہیں
بابا کی مونچھ۔ ماں کی چوٹی کھسوٹتے ہیں
گردوں میں اٹ رہے ہیں خاکوں میں لوٹتے ہیں
کچھ مل گیا سو پی لے کچھ بن گیا تو کھالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

جو اُن کو دو سو کھالیں پھیکا ہو یا سلونا
ہیں بادشہ سے بہتر جب مل گیا کھلونا

جس جا پہ نیند آئی پھر واں ہے اُن کو سونا
پروا نہ کچھ پلنگ کی نے چاہیئے بچھونا
بھونپو کوئی بجالے پھرکی کوئی پھرا لے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے
یہ بالے پن کا یارو عالم عجب بنا ہے
یہ عمر وہ ہے اس میں جو ہے سو بادشا ہے
اور سچ اگرچہ پوچھو تو بادشا بھی کیا ہے
اب تو نظیرؔ میری سب کو یہی دُعا ہے
جیتے رہیں سبھوں کے آس و مراد والے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

۴۔ تجربہ

۱۔ تندرستی

ہیں مرد اب وہی کہ جنھوں کا ہے فن درست
حرمت اُنھیں کے واسطے جن کا چلن درست
رہتا نہیں کسی کا سدا مال دھن درست
دولت رہی کسی کی نہ باغ وچمن درست
جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

دنیا میں اب اُنھوں کے تئیں کہئے بادشاہ
جن کے بدن درست ہیں دن رات سال و ماہ
جس پاس تندرستی و حرمت کی ہو سپاہ
ایسی پھر اور کون سی دولت ہے واہ واہ
جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

جو گھر میں اپنے میری وحشمت پناہی ہے
بن تندرستی سب میں خرابی تباہی ہے

یہ تندرستی یارو بڑی بادشاہی ہے

سچ پوچھئے تو عین یہ فضلِ الٰہی ہے

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست

اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

گر دولتوں سے اُس کا بھرا ہے تمام گھر

بیمار ہے تو خاک سے بدتر ہے سب وہ زر

ہو تندرست گرچہ یہ مفلس ہے سر بسر

پھر نہ کسی کا خوف نہ ہرگز کسی کا ڈر

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست

اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

عاجز ہو یا حقیر ہو پر تندرست ہو

بے زر ہو یا امیر ہو پر تندرست ہو

قیدی ہو یا اسیر ہو پر تندرست ہو

مفلس ہو یا فقیر ہو پر تندرست ہو

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست

اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

اس میں تمام ختم ہیں عالم کی خوبیاں

ہو تندرستی اور ملے حرمت سے آب و ناں

قسمت سے جب یہ دونوں میسّر ہوں پھر تو ہاں
پھر ایسی اور کون سی دولت ہے میری جاں
جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

پروا نہیں اگرچہ لکھا یا پڑھا نہ ہو
محتاج حق سوا یہ کسی اور کا نہ ہو
حُسن و جمال و علم و ہُنر گو مِلا نہ ہو
اِک تندرستی چاہیئے کچھ ہووے یا نہ ہو
جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

بیمار گرچہ لاکھ طرح سے ہو بادشاہ
تو اُس کو جانیے یہ گدا سے بھی ہے تباہ
ہم تو اُسی کو شاہ کہیں اور جہاں پناہ
اب جس کا تن درست ہو حرمت سے ہو نباہ
جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

ہوں گرچہ لاکھ دولتیں بیمار کے کنے
اور نعمتوں کے ڈھیر لگے ہوں بنے ٹھنے

بہتر ہیں مفلسی کے میاں چابنے چنے
جو تندرست ہیں وہ ہی دولھا ہیں اور بنے
جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

جب تندرستیوں کی رہیں دل میں بستیاں
پھر سو طرح کے عیش ہیں اور مے پرستیاں
کھانے کو نعمتیں ہوں وہ یا فاقہ مستیاں
سب عیش اور مزے ہیں جو ہوں تندرستیاں
جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

آیا جو دل میں سیر چمن کو چلے گئے
بازار چوک سیر تماشے میں خوش ہوئے
بیٹھے اُٹھے خوشی سے ہر اک جا چلے پھرے
جاگے مزے میں رات کو یا خوش ہو سو رہے
جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

قدرت سے یہ جو تن کی بنی ہے ہر ایک کل
جب تک یہ کل بنی ہے تو ہے آدمی کو کل

گر ہو خدا نخواستہ ایک کل بھی چل بہ چل
پھر نہ خوشی نہ عیش نہ کچھ زندگی کا پھل
جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

ادنیٰ ہو یا غریب تونگر ہو یا فقیر
یا بادشاہ شہر کا یا ملک کا وزیر
ہے سب کو تندرستی و حرمت ہی دلپذیر
جو تو نے اب کہا سو یہی سچ ہے اے نظیرؔ
جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

۲۔ مُفلسی

جب آدمی کے حال پہ آتی ہے مُفلسی — کس کس طرح سے اُس کو ستاتی ہے مُفلسی
پیاسا تمام روز بٹھاتی ہے مُفلسی — بھوکا تمام رات سُلاتی ہے مُفلسی
یہ دُکھ وہ جانے جس پہ کہ آتی ہے مُفلسی

کہیے تو اب حکیم کی سب سے بڑی ہے شاں — تعظیم جس کی کرتے ہیں نواب اور خاں
مفلس ہوئے تو حضرت لقمان کیا ہیں یاں — عیسیٰ بھی ہو تو کوئی نہیں پوچھتا میاں
حکمت حکیم کی بھی ڈبو باتی ہے مُفلسی

جو اہلِ فضل عالم و فاضل کہاتے ہیں
مُفلس ہوئے تو کلمہ تلک بھول جاتے ہیں
پوچھے کوئی الف تو اُسے بے بتاتے ہیں
وہ جو غریب غربا کے لڑکے پڑھاتے ہیں
اُن کی تو عمر بھر نہیں جاتی ہے مُفلسی

مُفلس کرے جو آن کے محلس کے بیچ حال
سب جانیں روٹیوں کا یہ ڈالا ہے اُس نے جال
گر گر پڑے تو کوئی نہ لیوے اُسے سنبھال
مُفلس میں ہوویں لاکھ اگر علم اور کمال
سب خاک بیچ آ کے ملاتی ہے مُفلسی

مُفلس کی کچھ نظر نہیں رہتی ہے آن پر
دیتا ہے اپنی جان وہ ایک ایک نان پر
ہر آن ٹوٹ پڑتا ہے روٹی کے خوان پر
جس طرح کتّے لڑتے ہیں اک استخوان پر
ویسا ہی مفلسوں کو لڑاتی ہے مفلسی

کرتا نہیں حیا سے جو کوئی وہ کام آہ
مُفلس کرے ہے اُس کے تئیں انصرام آہ
سمجھے نہ کچھ حلال نہ جانے حرام آہ
کہتے ہیں جس کو شرم و حیا ننگ و نام آہ
وہ سب حیا و شرم اُٹھاتی ہے مُفلسی

لازم ہے گر غمی میں کوئی شور و غل مچائے
مُفلس بغیر غم کے ہی کرتا ہے ہائے ہائے
مر جاوے گر کوئی تو کہاں سے اُسے اُٹھائے
اِس مُفلسی کی خواریاں کیا کیا کہوں میں ہائے
مُردے کو بِن کفن کے گڑاتی ہے مُفلسی

کیا کیا میں مفلسی کی کہوں خواری پھکڑیاں
جھاڑو بغیر گھر میں بکھرتی ہیں جھکڑیاں
کونوں میں جالے لپٹے ہیں چھپّر میں مکڑیاں
پیدا نہ ہوویں جن کے جلانے کو لکڑیاں
دریا میں اُن کے مُردے بہاتی ہے مُفلسی

بی بی کی نتھ نہ لڑکوں کے ہاتھوں کڑے رہے
کپڑے میاں کے بنیے کے گھر میں پڑے رہے
جب کڑیاں بِک گئیں تو کھنڈر میں پڑے رہے
زنجیر نے کواڑ نہ پتھر گڑے رہے
آخر کو اینٹ اینٹ کُھداتی ہے مُفلسی

نقاش پر بھی زور جب آ مُفلسی کرے
سب رنگ دم میں کر دے مصوّر کے کرکرے
صورت ہی اُسکی دیکھ کے مُنہ کھینچ رہے پرے
تصویر اور نقش میں کیا رنگ، وہ بھرے
اُس کے تو مُنہ کا رنگ اڑاتی ہے مُفلسی

جب مُفلسی سے ہووے کلاونت کا دل اُداس
پھرتا ہے لے طنبورے کو ہر گھر کے آس پاس
اِک پاؤ سیر آٹے کی دل میں لگا کے آس
گوری کا وقت ہووے تو گاتا ہے وہ بھیاس
یاں تک حواس اُس کے اُڑاتی ہے مُفلسی

مُفلس جو بیاہ بیٹی کا کرتا ہے بول بول
پیسا کہاں جو جا کے وہ لاوے جہیز مول
جورو کا وہ گلا ہے کہ پھوٹا ہو جیسے ڈھول
گھر کی حلال خوری تلک کرتی ہے ٹھٹھول
ہیبت تمام اُس کی اُٹھاتی ہے مُفلسی

بیٹے کا بیاہ ہووے تو بھائی نہ ساتھی ہے
نے روشنی نہ باجے کی آواز آتی ہے
ماں پیچھے ایک میلی چدر اوڑھے جاتی ہے
بیٹا بنا ہے دولھا تو باوا براتی ہے
مُفلس کی یہ برات چڑھاتی ہے مُفلسی

چولھے توا نہ پانی کے مٹکے میں آبی ہے
پینے کو کچھ نہ کھانے کو اور نے رکابی ہے
مُفلس کے ساتھ سب کے تئیں بے حجابی ہے
مُفلس کی جورو سچ ہے کہ یاں سب کی بھابھی ہے
عزت سب اُس کے دل کی گنواتی ہے مُفلسی

کیسا ہی آدمی ہو پر افلاس کے طفیل
کوئی گدھا کہے اُسے ٹھہرا دے کوئی بیل
کپڑے پھٹے تمام بڑھے بال پھیل پھیل
مُنھ خشک دانت زرد بدن پر جما ہے میل
سب شکل قیدیوں کی بناتی ہے مُفلسی

ہر آن دوستوں کی محبت گھٹاتی ہے
جو آشنا ہیں اُن کی تو اُلفت گھٹاتی ہے
اپنوں کی مہر غیر کی چاہت گھٹاتی ہے
شرم و حیا و عزت و حُرمت گھٹاتی ہے
ہاں ناخن اور بال بڑھاتی ہے مُفلسی

جب مُفلسی ہوئی تو شرافت کہاں رہی
وہ قدر ذات کی وہ نجابت کہاں رہی
کپڑے پھٹے تو لوگوں میں عزت کہاں رہی
تعظیم اور تواضع کی بابت کہاں رہی
مجلس کی جوتیوں پہ بٹھاتی ہے مُفلسی

رکھتی نہیں کسی کی یہ غیرت کی آن کو
سب خاک میں ملاتی ہے حُرمت کی شان کو
سو محنتوں میں اُس کی کھپاتی ہے جان کو
چوری پہ آ کے ڈالے ہے مفلس کے دھیان کو
آخر ندان بھیک منگاتی ہے مُفلسی

دُنیا میں لے کے شاہ سے اے یار و تا فقیر
خالق نہ مُفلسی میں کسی کو کرے اسیر
اشراف کو بناتی ہے اِک آن میں حقیر
کیا کیا میں مفلسی کی خرابی کہوں نظیرؔ
وہ جانے جس کے دل کو جلاتی ہے مُفلسی

۳۔ روٹیاں

جب آدمی کے پیٹ میں آتی ہیں روٹیاں
پھولی نہیں بدن میں سماتی ہیں روٹیاں

آنکھیں پری رُخوں سے لڑاتی ہیں روٹیاں
سینے اوپر بھی ہاتھ چلاتی ہیں روٹیاں
جتنے مزے ہیں سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی سے جس کا ناک تلک پیٹ ہے بھرا
کرتا پھرے ہے کیا وہ اوچھل کود جا بجا
دیوار پھاند کر کوئی کوٹھا اوچھل گیا
ٹھٹھا ہنسی شراب صنم ساقی اُس سوا
سو سو طرح کی دھوم مچاتی ہیں روٹیاں

جس جا پہ ہانڈی چولھا توا اور تنور ہے
خالق کی قدرتوں کا اُسی جا ظہور ہے
چولھے کے آگے آنچ جو جلتی حضور ہے
جتنے ہیں نور سب میں یہی خاص نور ہے
اِس نور کے سبب نظر آتی ہیں روٹیاں

آوے توے تنور کا جس جا زباں پہ نام
یا چکی چولھے کا جہاں گلزار ہو تمام
یاں سر جھکا کے کیجئے ڈنڈوت اور سلام
اِس واسطے کہ خاص یہ روٹی کے ہیں مقام
پہلے انھیں مکانوں میں آتی ہیں روٹیاں

اِن روٹیوں کے نور سے سب دل ہیں پور پور
آٹا نہیں ہے چھلنی سے چھن چھن گرے ہے نور
پیڑا ہر ایک اُس کا ہے برفی و موتی چور
ہر گز کسی طرح نہ بجھے پیٹ کا تنور
اِس آگ کو مگر یہ بجھاتی ہیں روٹیاں

پوچھا کسی نے یہ کسی کامل فقیر سے
یہ مہر و ماہ حق نے بنائے ہیں کاہے کے
وہ سُن کے بولا بابا خدا تجھ کو خیر دے
ہم تو نہ چاند سمجھیں نہ سورج ہیں جانتے
بابا ہمیں تو یہ نظر آتی ہیں روٹیاں

پھر پوچھا اُس نے کہیئے یہ ہے دل کا نور کیا
اِس کے مشاہدے میں ہے کُھلتا ظہور کیا

وہ بولا سُن کے تیرا گیا ہے شعور کیا   کشف القلوب اور یہ کشف القبور کیا
جتنے ہیں کشف سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی جب آئی پیٹ میں سو قند گھل گئے   گلزار پھولے آنکھوں میں اور عیش تُل گئے
دو تر نوالے پیٹ میں جب آکے ڈھل گئے   چودہ طبق کے جتنے تھے سب بھید کھُل گئے
یہ کشف یہ کمال دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی نہ پیٹ میں ہو تو پھر کچھ جتن نہ ہو   میلے کی سیر خواہشِ باغ و چمن نہ ہو
بھوکے غریب دل کی خدا سے لگن نہ ہو   سچ ہے کہا کسی نے کہ بھوکے بھجن نہ ہو
اللہ کی بھی یاد دلاتی ہیں روٹیاں

اب جن کے آگے مال پوے بھر کے تھال ہیں   پوری بھگت انھیں کی وہ صاحب کے لال ہیں
اور جن کے آگے روغنی اور شیرمال ہیں   عارف وہی ہیں اور وہی صاحب کمال ہیں
پکّی پکائی اب جنھیں آتی ہیں روٹیاں

کپڑے کسی کے لال ہیں روٹی کے واسطے   لمبے کسی کے بال ہیں روٹی کے واسطے
باندھے کوئی رومال ہیں روٹی کے واسطے   سب کشف اور کمال ہیں روٹی کے واسطے
جتنے ہیں روپ سب یہ دکھاتی ہیں روٹیاں

روٹی سے ناچے پیادہ قواعد دکھا دکھا   اسوار ناچے گھوڑے کو کاوہ لگا لگا
گھنگھرو کو باندھے پیک بھی پھرتا ہے جا بجا   اور اِس سوا جو غور سے دیکھا تو جا بجا
سو سو طرح کے ناچ دکھاتی ہیں روٹیاں

دنیا میں اب بدی نہ کہیں اور نکوئی ہے   نا دشمنی و دوستی نا تند خوئی ہے

کوئی کسی کا اور کسی کا نہ کوئی ہے — سب کوئی ہے اُسی کا کہ جس ہاتھ ڈوئی ہے
نوکر نفر غلام بناتی ہیں روٹیاں

روٹی کا اب ازل سے ہمارا تو ہے خمیر — روکھی بھی روٹی حق میں ہمارے ہے شہد و شیر
یا پتلی ہووے موٹی خمیری ہو یا فطیر[1] — گیہوں کی جوار باجرے کی جیسی ہو نظیر
ہم کو تو سب طرح کی خوش آتی ہیں روٹیاں

۴۔ اہلِ دُنیا

کیا کیا فریب کہئے دُنیا کی فطرتوں کا — مکر و دغا و دزدی ہے کام اکثروں کا
جب دوست مل کے لوٹیں اسباب مشفقوں کا — پھر کس زباں سے شکوہ اب کیجے دشمنوں کا
ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

گردن کو ہے اُچکا تو چور رات میں ہے — نٹ کھٹ کی کچھ نہ پوچھو ہر بات بات میں ہے
اس کی بغل میں گیتی تیغ اُس کے ہات میں ہے — وہ اس کی فکر میں ہے یہ اُس کی گھات میں ہے
ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

---

[1] وہ روٹی جس میں خمیر نہ ہو۔

عیار اور چھچھورا نت اپنے کار میں ہے　　اور صبح خیز یا بھی اپنی بہار میں ہے
قزاق جس مکاں پر فکر سوار میں ہے　　پیادہ غریب اُس جا پھر کس شمار میں ہے

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

اِس راہ میں جو آیا اسوار کہہ کے گھوڑا　　ٹھگ سے بچا تو آگے قزاق نے نہ چھوڑا
سویا سرا میں جاکر تو چور نے جھنجھوڑا　　تیغہ رہا نہ بھالا گھوڑا رہا نہ کوڑا

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

نادان کو پلا کر اک بھنگ کا پیالہ　　کپڑے بغل میں مارے اور لے لیا دوشالہ
دانا ملا تو اُس میں گھولا دھتورا کالا　　ہوتے ہی غافل اُس کو پھانسی پہ کھینچ ڈالا

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

پیسے روپئے اشرفی یا سیم و زر کا پترا　　پھر جیت گھر میں لاوے ہے کون ایسا چترا
سیانا بھی چوک کھائے یہ فن ہے وہ منترا　　کترے ہے جیب چڑھ کر ہاتھی پہ جیب کترا

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

چڑیا نے دیکھ غافل کیڑا ادھر گھسیٹا　　کوے نے وقت پاکر چڑیا کا گھر گھسیٹا
چیلوں نے مار پنجے کوے کا سر گھسیٹا　　جو جس کے ہاتھ آیا وہ اُس نے دھر گھسیٹا

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

صیاد چاہتا ہے ہو صید کا گذارا   اور صید چاہے دانہ کھا کر کرے کنارا
قابو چڑھا تو اُس کا دانہ وہ کھا سدھارا   اور کچھ بھی چال چوکا تو وو ہیں جال مارا

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

نکلا ہے شیر گھر سے گیدڑ کا گوشت کھانے   گیدڑ کی دُھن لگا وے خود شیر کو ٹھکانے
کیا کیا کرے ہیں باہم مکر و دغا بہانے   یاں وہ بچا نظیر اک جس کو رکھا خدا نے

ہشیار یار جانی یہ دشت ہے ٹھگوں کا
یاں ٹک نگاہ چوکی اور مال دوستوں کا

۵ - زر

دنیا میں کون ہے جو نہیں ہے فدائے زر
جتنے ہیں سب کے دل میں بھری ہے ہوائے زر
آنکھوں میں دل میں جان میں سینے میں جائے زر
ہم کو بھی کچھ تلاش نہیں اب سوائے زر
جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

کتنے تو زر کو نقش طلسمات کہتے ہیں
اور کتنے زر کو کشف و کرامات کہتے ہیں
کتنے خدا کی عین عنایات کہتے ہیں
کتنے اِسی کو قاضی حاجات کہتے ہیں
جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اِک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

آبِ طلا کی بوند بھی اب جس کے ہات ہے
وہ بوند کیا ہے چشمۂ آبِ حیات ہے
دُنیا میں عیش دین بھی عشرت کے سات ہے
زر وہ ہے جس سے دونوں جہاں میں نجات ہے
جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اِک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

زر کھان میں گڑا ہے تو واں بھی بہار ہے
شمشیر پر چڑھا ہے تو واں بھی بہار ہے
دیوار میں لگا ہے تو واں بھی بہار ہے
گر خاک میں پڑا ہے تو واں بھی بہار ہے
جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اِک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

زر کے دیے سے پیر اور اُستاد نرم ہو
زر کے سبب سے دشمن بیداد نرم ہو
جو شوخ سنگدل ہے پریزاد نرم ہو
زر وہ ہے جس کو دیکھ کے فولاد نرم ہو
جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

کپڑے پہ گر لگا ہے طلائی کلابتوں
میں اُس کے تار تار کی تعریف کیا لکھوں
ہو دسترس تو چور اُچکّے کو کیا کہوں
میرے بھی دل میں ہے کہ میں ہی اُس کو چھین لوں
جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

جا لوگ روم شام میں زر کو کماتے ہیں
ماچین چین زر کے جہاز آتے جاتے ہیں
دکھن سے زر کے واسطے سب یاں کو آتے ہیں
اور یاں کے زر کے واسطے دکھن کو جاتے ہیں
جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

سونے کی جدولیں جو کتابوں پہ عام ہیں
وہ جدولیں وہ رنگ وہ سونے کے کام ہیں
جن کے ورق ورق ہی سنہرے تمام ہیں
سب میں زیادہ اُن کی ہی قیمت میں نام ہیں
جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

اب جن کے گھر میں ڈھیر ہیں سونے کے دام کے
ہر اک اُمیدوار ہیں اُن کے سلام کے
سب مل کے پاؤں چومیں ہیں اُن کے غلام کے
کیا رُتبے ہیں طلائے علیہ السلام کے
جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

کتنوں کے دل میں دُھن ہے کہ زر ہی کمائیے
کچھ کھائیے کھلائیے اور کچھ بنائیے
کہتا ہے کوئی ہائے کہاں زر کو پائیے
کیا کیجے زہر کھائیے اور مر ہی جائیے
جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

سونا اگرچہ زرد ہے یا سُرخ خام ہے
لیکن تمام خلق کو اُس سے ہی کام ہے
سب میں زیادہ حُسن کی اُلفت کا دام ہے
زر وہ ہے جس کا حُسن بھی ادنیٰ غلام ہے
جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

ہوتی ہیں زر کے واسطے ہر جا چڑھائیاں
کٹتے ہیں ہاتھ پاؤں گلے اور کلائیاں
بندوقیں اور ہیں کہیں توپیں لگائیاں
کُل زر کی ہو رہی ہیں جہاں میں لڑائیاں
جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

جتنی جہاں میں خلق ہے کیا شاہ کیا وزیر
پیر و مرید مفلس و محتاج اور فقیر
سب ہیں گے زر کے جال میں جی جان سے اسیر
کیا کیا کہوں میں خوبیاں زر کی میاں نظیرؔ
جو ہے سو ہو رہا ہے سدا مبتلائے زر
ہر اک یہی پکارے ہے دن رات ہائے زر

۶- خوشامد

دل خوشامد سے ہر اِک شخص کا کیا راضی ہے
آدمی جن و پری بھوت بلا راضی ہے

بھائی فرزند بھی خوش باپ چچا راضی ہے
شاد مسرور غنی شاہ و گدا راضی ہے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

اپنا مطلب ہو تو مطلب کی خوشامد کیجئے
اور نہ ہو کام تو اُس ڈھب کی خوشامد کیجئے

اولیا انبیا اور رب کی خوشامد کیجئے
اپنے مقتدر غرض رب کی خوشامد کیجئے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

چار دن جس کو خوشامد سے کیا جُھک کے سلام
وہ بھی خوش ہو گیا اپنا بھی ہوا کام میں کام

بڑے عاقل بڑے دانا نے نکالا ہے یہ دام
خوب دیکھا تو خوشامد ہی کی آمد ہے تمام

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

پیار سے جوڑ دیے جس کی طرف ہاتھ جو آہ
وہیں خوش ہو گیا کرتے ہی وہ ہاتھوں پہ نگاہ
غور سے ہم نے جو اِس بات کو دیکھا واللہ
کچھ خوشامد ہی بڑی چیز ہے اللہ اللہ
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

عیش کرتے ہیں وہی جن کا خوشامد کا مزاج
جو نہیں کرتے وہ رہتے ہیں ہمیشہ محتاج
ہاتھ آتا ہے خوشامد سے مکاں ملک اور راج
کیا ہی تاثیر کا اِس نسخہ نے پایا ہے رواج
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

خوب دیکھا تو خوشامد کی بڑی کھیتی ہے
غیر کیا اپنے ہی گھر بیچ یہ سُکھ دیتی ہے
ماں خوشامد کے سبب چھاتی لگا لیتی ہے
نانی دادی بھی خوشامد سے بلا لیتی ہے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے
بی بی کہتی ہے میاں آ ترے صدقے جاؤں
ساس بولے کہیں مت جا ترے صدقے جاؤں
خالہ کہتی ہے کہ کچھ کھا ترے صدقے جاؤں
سالی کہتی ہے کہ بھیّا ترے صدقے جاؤں
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے
آ پڑا ہے جو خوشامد سے سروکار اُسے
ڈھونڈھتے پھرتے ہیں اُلفت کے خریدار اُسے
آشنا ملتے ہیں اور چاہے ہیں سب یار اُسے
اپنے بیگانے غرض کرتے ہیں سب پیار اُسے
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے
روکھی اور روغنی آبی کی خوشامد کیجئے
نان بائی و کبابی کی خوشامد کیجئے
ساقی و جام شرابی کی خوشامد کیجئے
پارسا رِند خرابی کی خوشامد کیجئے

جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

مرد و زن طفل و جواں خورد و کلاں پیر و فقیر
جتنے عالم میں ہیں محتاج و گدا شاہ و وزیر
سب کے دل ہوتے ہیں پھندے میں خوشامد کے اسیر
تو بھی واللہ بڑی بات یہ کہتا ہے نظیرؔ
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے
سچ تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

۵۔ اخلاق

۱۔ اللہ کا نام

دنیا میں کوئی خاص نہ کوئی عام رہے گا
نہ صاحبِ مقدور نہ ناکام رہے گا
زردار نہ بے زر نہ بد انجام رہے گا
شادی نہ غم نہ گردشِ ایام رہے گا
نہ عیش نہ دکھ درد نہ آرام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا
یہ چرخ جو کھاتا ہے پڑا گنبد ازرق
یہ چاند یہ سورج یہ ستارے ہیں معلّق
لوح و قلم و عرش بریں ثابت و مُطلق
سب ٹھاٹھ یہ اک آن میں ہو جاوے گا ہو حق
آغاز کسی شے کا نہ انجام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا
لے عالمِ ارواح سے تا عالمِ جنّات

کیا ابر و ہوا جنگل و کوہ ارض و سماوات
اک پھونک میں اُڑ جائیں گے جوں نقش طلسمات
ہشیار نہ پختہ نہ کوئی خام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

گر علم و ہُنر سے ہے کوئی خلق میں مشہور
یا کشف کرامات میں ہے صاحبِ مقدور
یا ایک کا ہے نام و نشاں خلق میں مشہور
اِک دم میں پلک مارتے ہو جائیں گے سب دور
مستور نہ مشہور نہ گمنام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

مختاری کے خرہ سے جو کرتے ہیں سدا کام
یا جبر سے مجبوری کے رکھتے ہیں کئی دام
جب آکے فنا ڈالے گی اک گردشِ ایّام
اک آن میں اُڑ جائے گا سب چیز کا الزام
مختار نہ مجبور نہ خود کام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

اب دل میں بڑے اپنے جو کہلاتے ہیں عیّار
سو مکر و دغا کرتے ہیں اِک آن میں تیّار

جب آ کے فنا ڈالے گی سر کے اوپر اک وار
اِک وار کے لگتے ہی یہ ہو جائیں گے سب پار
نے مکر نہ حیلہ نہ کوئی دام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اِک نام رہے گا

کرتے ہیں جو اب دل سے ریاضت و عبادات
یا عمر کو کھوتے ہیں بہ رندی و خرابات
جب آ کے فنا چھوڑے گی شمشیر کا اِک ہات
پھر صاف ہے دونوں کی گنہگاری و طاعات
نے رند نہ عابد نہ مے آشام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

جھگڑا نہ کرے ملّت و مذہب کا کوئی یاں
جس راہ میں جو آن پڑے خوش رہے ہر آں
زنّار گلے یا کہ بغل بیچ ہو قرآں
عاشق تو قلندر ہیں نہ ہندو نہ مسلماں
کافر نہ کوئی صاحبِ اسلام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

جو شاہ کہاتے ہیں کوئی اُن سے یہ پوچھو
دارا و سکندر وہ گئے آہ کدھر کو

مغرور نہ ہو شوکت و حشمت پہ وزیرو
اس دولت و اقبال پہ مت بھولو امیرو
نے ملک نہ دولت نہ سرانجام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

بیوپار جو کرتے ہیں ہر اک چیز کا زردار
آگے بھی دکانیں تھیں کئی اور کئی بازار
جس طور کا اب چاہیے کر لیجئے بیوپار
پھر جنس نہ دلال نہ مالک نہ خریدار
نے نقد نہ کچھ قرض نہ کچھ دام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

اب جتنی کھڑی دیکھو ہو عالم میں عمارات
یا جھونپڑے دو کوڑی کے یا لاکھ کے محلات
کیا پست مکاں کیا یہ ہوادار مکانات
اک اینٹ بھی ڈھونڈے کہیں آنے کی نہیں ہات
دالان نہ حجرہ نہ در و بام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

یہ باغ و چمن اب جو ہر اک جا ہیں رہے پھول
یہ شاخ یہ غنچہ یہ ہرے پات یہ پھل پھول

آجاوے گی جب بادِ خزاں اُن کے اُوپر بھول
ہر خار کی ہر پھول کی اُڑ جاوے گی سب بھول
نے زرد نہ سُرخ اور نہ سیہ فام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا
میخوار بھی کتنے ہوئے یاں مے کے مذاقی
ساقی بھی کئی ہوگئے محبوب و ثاقی
لا جام کوئی بھر کے جو ہو اور بھی باقی
فرصت ہے غنیمت کوئی دم کو ارے ساقی
نہ مے نہ صراحی نہ ترا جام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا
یہ عاشق و معشوق جو کرتے ہیں بہم چاہ
آگے بھی بہت عاشق و معشوق تھے واللہ
وہ شخص کہاں جاتے رہے اے مرے اللہ
اس بات سے معلوم ہوا اب تو یہی آہ
نہ عشق نہ عاشق نہ دلآرام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا
یہ شعر و غزل اب جو بناتے ہیں زبانی
آگے بھی بہت چھوڑ گئے اپنی نشانی

دیوان بنایا کوئی قصہ کہ کہانی
کچھ باقی نہ تغیر سے نہیں سب چیز ہے فانی
خمسہ نہ غزل فرد نہ ایہام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

۲۔ کلجگ

دنیا عجب بازار ہے کچھ جنس یاں کی ساتھ لے
نیکی کا بدلا نیک ہے بد سے بدی کی بات لے
میوہ کھلا میوہ ملے پھل پھول دے پھل پات لے
آرام دے آرام لے دکھ درد دے آفات لے
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اِس ہات دے اُس ہات لے
کانٹا کسی کے مت لگا مثل گل پھولا ہے تو
وہ تیرے حق میں تیر ہے کس بات پر بھولا ہے تو
مت آگ میں ڈال اور کو پھر گھانس کا پولا ہے تو
سن رکھ یہ نقطہ بے خبر کس بات پر بھولا ہے تو
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اِس ہات دے اُس ہات لے

شوخی شرارت مکر و فن سب کا لبیکھا ہے یہاں
جو جو دکھایا اور کو وہ آپ بھی دیکھا ہے یہاں
کھوٹی کھری جو کچھ کہ ہے لسکا پرکھا ہے یہاں
جو جو پڑا تلتا ہے دل تل تل کا لیکھا ہے یہاں
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اِس ہات دے اُس ہات لے

جو اور کی بستی رکھے اُس کا بھی بستا ہے پُرا
جو اور کے مارے چھری اُس کے بھی لگتا ہے چھُرا
جو اور کی توڑے دُھری اُس کا بھی ٹوٹے ہے دُھرا
جو اور کی چیتے بدی اُس کا بھی ہوتا ہے بُرا
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اِس ہات دے اُس ہات لے

جو اور کو پھل دیوے گا وہ بھی سدا پھل پاوے گا
گیہوں سے گیہوں جو سے جو چاول سے چاول پاوے گا
جو آج دیوے گا یہاں ویسا وہ واں کل پاوے گا
کل دیوے گا کل پاوے گا کلپاوے گا کلپاوے گا
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اِس ہات دے اُس ہات لے

جو چاہے لے چل اس گھڑی سب جنس یاں تیار ہے
آرام میں آرام ہے آزار میں آزار ہے
دنیا نہ جان اس کو میاں دریا کی یہ منجدھار ہے
اوروں کا بیڑا پار کر تیرا بھی بیڑا پار ہے
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اِس ہات دے اُس ہات لے

تو اور کی تعریف کر تجھ کو ثنا خوانی ملے
کر مشکل آسان اور کی تجھ کو بھی آسانی ملے
تو اور کو مہمان کر تجھ کو بھی مہمانی ملے
روٹی کھلا روٹی ملے پانی پلا پانی ملے
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اِس ہات دے اُس ہات لے

کر چُک جو کچھ کرنا ہو اب یہ دم تو کوئی آن ہے
نقصان میں نقصان ہے احسان میں احسان ہے
تہمت میں یاں تہمت لگے طوفان میں طوفان ہے
رحمان کو رحمان ہے شیطان کو شیطان ہے
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اِس ہات دے اُس ہات لے

یاں زہر دے تو زہر لے شکر میں شکر دیکھ لے
نیکوں کو نیکی کا مزا موذی کو ٹکر دیکھ لے
موتی دیے موتی ملے پتھر میں پتھر دیکھ لے
گر تجھ کو یہ باور نہیں تو تو بھی کر کر دیکھ لے
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اُس ہات لے

اپنے نفع کے واسطے مت اور کا نقصان کر
تیرا بھی نقصاں ہووے گا اس بات پر تو دھیان کر
کھانا جو تو کھا دیکھ کر پانی پیئے تو چھان کر
یاں پاؤں کو رکھ پھونک کر اور خوف سے گزران کر
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اِس ہات دے اُس ہات لے

غفلت کی یہ جاگہ نہیں یاں صاحبِ ادراک رہ
دلشاد رکھ دلشاد رہ غمناک رکھ غمناک رہ
ہر حال میں تو بھی نظیر اب ہر قدم کی خاک رہ
یہ وہ مکاں ہے او میاں یاں پاک رہ بیباک رہ
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے اس ہات دے اُس ہات لے

۳- نیکی و بدی

ہے دنیا جس کا نام میاں یہ اور طرح کی بستی ہے
جو مہنگوں کو یہ مہنگی ہے اور سستوں کو یہ سستی ہے
یاں ہر دم جھگڑے اُٹھتے ہیں ہر آن عدالت بستی ہے
گر مست کرے تو مستی ہے اور پست کرے تو پستی ہے
کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اِس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو اور کسی کا مان رکھے تو اُس کو بھی ارمان ملے
جو پان کھلائے پان ملے جو روٹی دے تو نان ملے
نقصان کرے نقصان ملے احسان کرے احسان ملے
جو جیسا جس کے ساتھ کرے پھر ویسا اُس کو آن ملے
کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اِس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو اور کسی کی جاں بخشے تو اُس کی بھی حق جان رکھے
جو اور کسی کی آن رکھے تو اُس کی بھی حق آن رکھے
جو یاں کا رہنے والا ہے یہ دل میں اپنے جان رکھے
یہ چلت پھرت کا نقشہ ہے اِس نقشے کو پہچان رکھے

کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اِس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو پار اُتارے اوروں کو اُس کی بھی ناؤ اُترنی ہے
جو غرق کرے پھر اُس کو بھی یاں ڈبکوں ڈبکوں کرنی ہے
شمشیر تبر بندوق سناں اور نشتر تیر نہرنی ہے
یاں جیسی جیسی کرنی ہے پھر ویسی ویسی بھرنی ہے
کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اِس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو اوروں کا اونچا بول کرے تو اُس کا بول بھی بالا ہے
اور دے پٹکے تو اُس کو بھی کوئی اور پٹکنے والا ہے
بے ظلم و خطا جس ظالم نے مظلوم ذبح کر ڈالا ہے
اُس ظالم کے بھی لوہو کا پھر بہتا ندی نالا ہے
کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اِس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

جو اور کسی کو ناحق میں کوئی جھوٹی بات لگاتا ہے
اور کوئی غریب اور بیچارہ حق ناحق میں لُٹ جاتا ہے
وہ آپ بھی لوٹا جاتا ہے اور لاٹھی پاٹھی کھاتا ہے
جو جیسا جیسا کرتا ہے پھر ویسا ویسا پاتا ہے

کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

ہے کھٹکا اُس کے ساتھ لگا جو اور کسی کو دے کھٹکا
اور غیب سے جھٹکا کھاتا ہے جو اور کسی کو دے جھٹکا
چیرے کے بیچ میں چیرا ہے اور پٹکے بیچ جو ہے پٹکا
کیا کہیے اور نظیر آگے ہے زور تماشا جھٹ پٹ کا

کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو اُس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

۴۔ بنجارہ نامہ

ٹک حرص و ہوا کو چھوڑ میاں مت دیس بدیس پھرے مارا
قزاق اجل کا لوٹے ہے دن رات بجا کر نقارا
کیا بدھیا بھینسا بیل شتر کیا گونیں پلّا سر بھارا
کیا گیہوں چاول موٹھ مٹر کیا آگ دھواں کیا انگارا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

گر تو ہے لکھی بنجارہ اور کھیپ بھی تیری بھاری ہے
اے غافل تجھ سے بھی چڑھتا اک اور بڑا بیوپاری ہے

کیا شکر مصری قند گری کیا سانبھر میٹھا کھاری ہے
کیا داکھ منقا سونٹھ مرچ کیا کیسر لونگ سپاری ہے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

تو بدھیا لادے بیل بھرے جو پورب پچھم جاوے گا
یا سود بڑھا کر لاوے گا یا ٹوٹا گھاٹا پاوے گا
قزاق اجل کا رستے میں جب بھالا مار گراوے گا
دھن دولت ناتی پوتا کیا اک کنبا کام نہ آوے گا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

ہر منزل میں اب ساتھ ترے یہ جتنا ڈیرا ڈانڈا ہے
زر دام درم کا بھانڈا ہے بندوق سپر اور کھانڈا ہے
جب نایک تن سے نکل گیا جو ملکوں ملکوں بانڈا ہے
پھر ہانڈا ہے نہ بھانڈا ہے نہ حلوا ہے نہ مانڈا ہے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

جب چلتے چلتے رستے میں یہ گون تری ڈھل جاوے گی
اک بدھیا تیری مٹی پر پھر گھاس نہ چرنے پاوے گی
یہ کھیپ جو تو نے لادی ہے سب حصوں میں بٹ جاوے گی
دھی پوت جنوائی بیٹا کیا بنجارن پاس نہ آوے گی
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

یہ کھیپ بھرے جو جاتا ہے یہ کھیپ میاں مت گن اپنی
اب کوئی گھڑی پل ساعت میں یہ کھیپ بدن کی ہے کفنی
کیا تھال کٹورے چاندی کے کیا پیتل کی ڈبیا ڈھکنی
کیا برتن سونے روپے کے کیا مٹی کی ہنڈیا چینی
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

یہ دھوم دھڑکا ساتھ لئے کیوں پھرتا ہے جنگل جنگل
اک تنکا ساتھ نہ جاوے گا موقوف ہوا جب اَن اور جل
گھر بار اٹاری چوپاری کیا خاصہ نین سکھ اور ململ
کیا چلون پردے فرش نئے کیا لال پلنگ اور رنگ محل
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

کچھ کام نہ آوے گا تیرے یہ لعل و زمرد سیم و زر
جب پونجی باٹ میں بکھرے گی پھر آن بنے گی جان اوپر
نقارے نوبت بان نشان دولت حشمت فوجیں لشکر
کیا مسند تکیہ ملک مکاں کیا چوکی کرسی تخت چھتر
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

کیوں جی پر بوجھ اٹھاتا ہے ان گونوں بھاری بھاری کے
جب موت کا ڈیرا آن پڑا پھر دونے ہیں بیوپاری کے

کیا ساز جڑاؤ زر زیور کیا گوٹے تھان کناری کے
کیا گھوڑے زین سنہری کے کیا ہاتھی لعل عماری کے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

مغرور نہ ہو تلواروں پر مت بھول بھروسے ڈھالوں کے
سب پتا توڑ کے بھاگیں گے مُنہ دیکھ اجل کے بھالوں کے
کیا ڈبے موتی ہیروں کے کیا ڈھیر خزانے مالوں کے
کیا بُغچے تاج مشجّر کے کیا تختے شال دوشالوں کے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

کیا سخت مکاں بنواتا ہے کھم تیرے تن کا ہے پولا
تو اونچے کوٹ اُٹھاتا ہے واں گور گڑھے نے مُنہ کھولا
کیا رینی خندق رند بڑے کیا برج کنگورا انمولا
گڑھ کوٹ رہکلہ توپ قلعہ کیا شیشہ دارو اور گولا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

ہر آن نفع اور ٹوٹے میں کیوں مرتا پھرتا ہے بن بن
ٹک غافل دل میں سوچ ذرا ہے ساتھ لگا تیرے دشمن
کیا لونڈی باندی دائی دوا کیا بندا چیلا نیک چلن
کیا مندر مسجد تال کنواں کیا کھیتی باڑی پھول چمن
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

جب مرگ پھرا کر چابک کو یہ بیل بدن کا ہانکے گا
کوئی ناج سمیٹے گا تیرا کوئی گون سئے اور ٹانکے گا
ہو ڈھیر اکیلا جنگل میں تو خاک لحد کی پھانکے گا
اُس جنگل میں پھر آہ نظیرؔ اک بھنگا آن نہ جھانکے گا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

۵ - مرد

جو فقر میں پورے ہیں وہ ہر حال میں خوش ہیں   ہر کام میں ہر دام میں ہر حال میں خوش ہیں
گر مال دیا یار نے تو مال میں خوش ہیں   بے زر جو کیا تو اُسی احوال میں خوش ہیں
افلاس میں ادبار میں اقبال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

چہرے پہ ملالت نہ جگر میں اثرِ غم   ماتھے پہ کہیں چیں نہ ابرو میں کہیں خم
شکوہ نہ زباں پر نہ کبھی چشم ہوئی نم   غم میں بھی وہی عیش الم میں بھی وہی دم
ہر بات ہر اوقات ہر افعال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

گر یار کی مرضی ہوئی سر جوڑ کے بیٹھے   گھر بار چھڑایا تو وہیں چھوڑ کے بیٹھے
موڑا جدھر اُن کو وہیں منہ موڑ کے بیٹھے   گدڑی جو سلائی تو وہی اوڑھ کے بیٹھے

گر شال اُڑھائی تو اُسی شال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

گر اُس نے دیا غم تو اُسی غم میں رہے خوش — اور اُس نے جو ماتم دیا ماتم میں رہے خوش
کھانے کو ملا کم تو اُسی کم میں رہے خوش — جس طور کہا اُس نے اُس عالم میں رہے خوش
دکھ درد میں آفات میں جنجال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

جینے کا نہ اندوہ نہ مرنے کا ذرا غم — یکساں ہیں اُنھیں زندگی و موت کا عالم
واقف نہ برس سے نہ مہینے سے وہ اک دم — نے شب کی مصیبت نہ کبھی روز کا ماتم
دن رات گھڑی پہر مہ و سال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

گر اُس نے اُڑھایا تو لیا اوڑھ دوشالا — کمّل جو دیا تو وہی کاندھے پہ سنبھالا
چادر جو اُڑھائی تو وہی ہو گئی بالا — بندھوائی لنگوٹی تو وہیں ہنس کے کہا لا
پوشاک میں دستار میں رومال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

کچھ اُن کو طلب گھر کی نہ باہر سے اُنھیں کام — تکیہ کی نہ خواہش ہے نہ بستر سے اُنھیں کام
استھل کی ہوس دل میں نہ مندر سے اُنھیں کام — مفلس سے نہ مطلب نہ تونگر سے اُنھیں کام
میدان میں بازار میں چوپال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

اُن کے تو جہاں میں عجب عالم ہیں نظیرؔ آہ
اب ایسے تو دنیا میں ولی کم ہیں نظیرؔ آہ
کیا جانے فرشتے ہیں کہ آدم ہیں نظیرؔ آہ
ہر وقت میں ہر آن میں خرّم ہیں نظیرؔ آہ
جس ڈھال میں رکھا وہ اُسی ڈھال میں خوش ہیں
پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

۶- اپنی بہار

لے آئینہ کو ہاتھ میں اور بار بار دیکھ
صورت میں اپنی قدرتِ پروردگار دیکھ
خالِ سیاہ اور خطِ مشک بار دیکھ
زلفِ دراز طرّۂ عنبر نثار دیکھ
ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حُسن کی آپ ہی بہار دیکھ
آئینہ کیا ہے جان ترا پاک صاف دل
اور خال کیا ہیں تیرے سویدائے رُخ کے تِل
زُلفِ دراز فہم رسا سے رہے ہے بل
لاکھوں طرح کے پھول رہے ہیں تجھ ہی میں کِھل
ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حُسن کی آپ ہی بہار دیکھ

مشک تتار و مشک ختن بھی تجھی میں ہے
یاقوت سُرخ و لعل یمن بھی تجھی میں ہے
نسرین و موتیا و سمن بھی تجھی میں ہے
القصّہ کیا کہوں میں چمن بھی تجھی میں ہے
ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گُل تو اپنے حُسن کی آپ ہی بہار دیکھ
سورج مُکھی کے گُل کی اگر دل میں تاب ہے
تو اپنے مُنھ کو دیکھ کہ خود آفتاب ہے
گُل اور گلاب کا بھی تجھی میں حساب ہے
رُخسار تیرا گُل ہے پسینہ گلاب ہے
ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گُل تو اپنے حُسن کی آپ ہی بہار دیکھ
نرگس کے پھول پر تو نہ اپنا گمُان کر
اور سرو سے بھی دل نہ لگا اپنا جان کر
اپنے سوا کسی پہ نہ ہرگز تو دھیان کر
یہ سب سما رہے ہیں تجھی میں تو آن کر
ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گُل تو اپنے حُسن کی آپ ہی بہار دیکھ

نرگس وہ کیا ہے جان تری چشم خوش نگاہ
اور سرو کیا ہے یہ ترا قدِ دراز آہ
گر سیرِ باغ چاہیے تو اپنی کر تو چاہ
حق نے تجھی کو باغ بنایا ہے واہ واہ
ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گُل تو اپنے حُسن کی آپ ہی بہار دیکھ
گر دل میں تیرے قمری و بُلبُل کا دھیان ہے
تو ہونٹھ تیرے قمری ہیں بُلبُل زبان ہے
ہے تو ہی باغ اور تو ہی باغبان ہے
باغ و چمن ہیں جتنے تو اُن سب کی جان ہے
ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گُل تو اپنے حُسن کی آپ ہی بہار دیکھ
بیلا گلاب سیوتی نسرین و نسترن
داؤدی جوہی لالہ و رابیل یاسمن
جتنے جہاں میں پھولے ہیں پھولوں کے انجمن
یہ سب تجھی میں پھول رہے ہیں چمن چمن
ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گُل تو اپنے حُسن کی آپ ہی بہار دیکھ

باغ و چمن کے غنچہ و گُل میں نہ ہو اسیر
قمری کی سن صفیر نہ بلبل کی سن صفیر
اپنے تئیں تو دیکھ کہ کیا ہے ارے نظیرؔ
ہیں حروف من عرف کے یہی معنے اے نظیرؔ
ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گُل تو اپنے حُسن کی آپ ہی بہار دیکھ

۷۔ دُنیائے ناپائیدار

آہ کیا کہیئے رہی یاں جب تلک اپنی حیات
تھے بندھے کیا کیا تعلق اپنے جیتے جی کے سات
جب موئے پھر تو کسی نے آن کر پوچھی نہ بات
زندگی اپنی تھی گُل چو لنسٹھ گھڑی کی کائنات
اتنے عرصہ ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دُنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات
پھر اُسی دن رات میں ہم بادشا بھی ہو چکے
صاحب تاج نگیں فرمانروا بھی ہو چکے
مالکِ مُلک و مکاں کشور کشا بھی ہو چکے
عاجز و مفلس فقیر و بے نوا بھی ہو چکے

اِتنے عرصہ ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دُنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اُسی دن رات میں ہم ہوگئے حشمت پناہ
بخشی و میر و وزیر و منشی و دیوان شاہ
محتسب کوتوال قاضی صدر مفتی اہل جاہ
اس قدر تو عمر جس میں یہ تماشے واہ واہ
اِتنے عرصہ ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دُنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اُسی دن رات میں ہم عارفِ کامل ہوئے
صاحبِ کشف و کرامات اور روشن دل ہوئے
عالم و فاضل فقیہ و جاہل و عاقل ہوئے
تھی یہی فرصت اِسی میں خاک مٹی گِل ہوئے
اِتنے عرصہ ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دُنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پھر اُسی دن رات میں ہم پوتے اور بیٹا ہوئے
پھر ہمیں بابا ہمیں نانا ہمیں دادا ہوئے
سالے سُسرے بھائی ماموں اور چچا تایا ہوئے
تھی یہی فرصت اِسی میں دیکھئے کیا کیا ہوئے

اِتنے عرصہ ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دُنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات
پھر اُسی دن رات میں کیا کیا بنائے ہم نے گھر
مسجد و تالاب و مسند حجرہ و دیوار و در
بیٹھ کر عشرت بھی کی اور بھیک مانگی در بدر
تھے مسافر پھر اِسی میں کر گئے آخر سفر
اِتنے عرصہ ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دُنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات
پھر اُسی دن رات میں ہم کوٹھی زر کی بھر گئے
لیں ہزار اجناس بھی اور بن کے سوداگر گئے
خاک چھانی اور ضرر اور نفع کیا کیا کر گئے
تھی یہی فرصت اِنھیں جھگڑوں میں آخر مر گئے
اِتنے عرصہ ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دُنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات
پھر اُسی دن رات میں اپنا ہوا بیاہ اور برات
لڑکے بالے بھی اُسی میں ہو گئے پھر آٹھ سات
دیکھ لی ہولی دِوالی عید بھی اور شب برات
پھر اِسی میں چل بسے آخر کو رکھ چھاتی پہ ہات

اِتنے عرصہ ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دُنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

پیشے ہیں جتنے جہاں میں کیا صغیر اور کیا کبیر
سب کیے ہم نے میاں اس حال میں ہو کر اسیر
طفل سے ٹھہرے جواں اور پھر جواں سے بنکے پیر
پھر اسی میں پیر ہو کر مر گئے آخر نظیر
اِتنے عرصہ ہی میں کیا کیا ہم پہ گذری واردات
رہ چلے دُنیا میں ہم بھی ایک دن اور ایک رات

۸۔ موت

دُنیا میں اپنا جی کوئی بہلا کے مر گیا دل تنگیوں سے اور کوئی اُکتا کے مر گیا
عاقل تھا وہ تو آپ کو سمجھا کے مر گیا بے عقل چھاتی پیٹ کے گھبرا کے مر گیا
دُکھ پا کے مر گیا کوئی سُکھ پا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اِک آ کے مر گیا

دن رات دُھن مچی ہے یہاں اور پڑی ہے جنگ چلتی ہے نت اجل کی سناں گولی اور تفنگ
جس کا قدم بڑھا وہ موا وہیں بے درنگ جو جی چھپا کے بھاگا تو اُس کا ہوا یہ رنگ
وہ بھاگتے میں تیغ و تبر کھا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اِک آ کے مر گیا

پیدا ہوئے ہیں خلق میں اب جتنے جزو کُل — یا چُپ گذاری عمر و یا دھوم کر چہل
جب آن کر فنا نے کھلایا اجل کا گُل — کام آئی کچھ کسی کو خموشی نہ شور و غُل
چُپکے کوئی مُوا کوئی چلّا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اِک آکے مر گیا

گر لاکھ عشرتوں سے رہے دل میں دھوم دھام — یا سو مصیبتوں سے ہوا غم کا اژدحام
آخر کو جب اجل نے کیا آن کر سلام — غم میں کسی حسیں کے کوئی ہو گیا تمام
حور و پری کو چھاتی سے لپٹا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اِک آکے مر گیا

پڑھ کر نماز کوئی رہا پاک باوضو — کوئی شراب پی کے پھرا مست کو بکو
ناپاکی پاکی موت کی ٹھہری نہ روبرو — کوئی عبادتوں سے ہوا ہو کے سُرخرو
ناپاک روسیاہ بھی پچھتا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آکے مر گیا

کر دل کے آئینے کے تئیں صاف ایک بار — کشفِ قلوب دل پہ کیا اپنے آشکار
جب پیک نے اجل کے کیا آن کر گزار — کام آئی روشنی نہ کرامات کی بہار
کامل فقیر خلق میں کہلا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آکے مر گیا

بالفرض گر کسی کو ہوئی یاد کیمیا — یا مفلسی میں ایک نے خونِ جگر پیا
کوئی زیادہ عمر سے اک دم نہیں جیا — سوکھی کسی نے روٹی چبا غم میں جی دیا

قلیا پلاؤ زردہ کوئی کھا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

پہنا کسی نے خوب لباس عطر کا بھرا　　یا چیتھڑوں کی گدڑی کوئی اوڑھ کر پھرا
آخر کو جب اجل کی چلی آن کر ہوا　　پولے کے جھونپڑے کو کوئی چھوڑ کر چلا
باغ و مکان محل کوئی بنوا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

گیسو بڑھا کے کوئی مشائخ ہوا یہاں　　یا بے نوا ہو کوئی ہوا خود منڈا یہاں
جب مُرشدِ اجل کا قدم آیا درمیاں　　کوئی تو لمبی ڈاڑھی لیے ہو گیا رواں
مونچھیں بھویں تلک کوئی منڈوا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

گر ایک بے وقار ہوا ایک قدر دار　　سر پر لگا جب آن کے تیغِ اجل کا وار
بے قدری کام آئی کسی کا نہ کچھ وقار　　تھا بے حیا سو وہ تو موا کھو کے ننگ و عار
اور جس کو شرم تھی سو وہ شرما کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

کوئی موتی چاہتا تھا کوئی موٹھ اور مٹر　　جس دم قضا نے ہاتھ میں لی تیغ اور سپر
کام آئی کچھ فقیری نہ کچھ تخت اور چھتر　　یہ خاک پر موا وہ موا تخت کے اوپر
تھی جیسی جس کی قدر وہ بتلا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

عاشق ہو گر کسی نے کسی گل کی چاہ کی — عاشق نے اپنے عشق بڑھانے میں جان دی

اور جب اجل کی دونوں سے آ کر لگن لگی — معشوق کی کام آئی کسی کی نہ عاشقی

دلبر بھی اپنے حسن کو چمکا کے مر گیا

جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

کتنوں میں بڑھ کے ایسی بڑھی الفتوں کی چاہ — جو جسم و جان ایک ہوئے اُن کے واہ واہ

عاشق ہوا تو مر گیا معشوق خواہ مخواہ — معشوق مر گیا تو وہ عاشق بھی کر کے آہ

اس گلبدن کی قبر اوپر جا کے مر گیا

جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

کیا کالی پیلی شکل کے کیا گورے گلعذار — عاشق کوئی سہے اور کوئی معشوق طرحدار

عاقل حلیم و عامل و فاضل رسالدار — پنڈت نجومی بید چہ ناداں چہ ہوشیار

دو دن کی شان ہر کوئی دکھلا کے مر گیا

جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

کیا اچھی ذات پاک کے اشراف کیا نجیب — قسمت سے پھوٹی کوڑی کسی کے نہ ہوئی نصیب

جس دم قضا کے ہاتھ نے بند آنکھ کی حبیب — کیا ہوشیار و عاقل و دانا و کیا طبیب

کوئی خزانہ خاک میں گڑوا کے مر گیا

جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

مرنے سے پہلے مر گئے جو عاشقان زار — وہ زندۂ ابد ہوئے تا حشر برقرار

کیا کاتبان اہل قلم خوشنویس کار — جتنی کتابیں دیکھتے ہو لاکھ یا ہزار

کوئی لکھ کے مر گیا کوئی لکھوا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

پیر و مرید شاہ و گدا میر اور وزیر
سب آن کر اجل کے ہوئے دام میں اسیر
مفلس غریب صاحبِ تاج و علم سریر
کوئی ترس ترس کے موا غم میں اے نظیرؔ
کوئی ہزاروں عیش کی ٹھہرا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر اک آ کے مر گیا

نیشنل پریس الہ آباد میں باہتمام رمضان علی شاہ چھپی